ISSN: 2321-8339
جولائی۔ستمبر ۲۰۲۰ء

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

مدرسۃ الاصلاح اوراس کی خدمات
سید جلال الدین عمری
قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر
پروفیسر عبدالرحیم قدوائی
استخراجِ احکام میں امام ابوداؤدؒ اورامام ترمذیؒ کے اسالیب کا موازنہ
محترمہ صائمہ ملک
جنت میں داخلہ کی قرآنی ضمانتیں
پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی
سائنس اور ٹکنالوجی۔ اسلامی نقطۂ نظر
ڈاکٹر محمد رفعت
اسلام میں کفالتِ عامّہ کا تصور
مفتی بخت شید
کلامِ اقبال میں قرآنی تلمیحات
ڈاکٹر علی محمد بٹ
تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل۔تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیام امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جولائی ــــــــــــ ستمبر ۲۰۲۰ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ـ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۹ شمارہ: ۳

ذی قعدہ ـــــــــ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ

جولائی ـــــــــ ستمبر ۲۰۲۰ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

- اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India

Muslim University Branch, Aligarh

A/C No. 45221010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ	۲۰۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں و ادارے)	۳۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

مدرسۃ الاصلاح اور اس کی خدمات	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق و تنقید

قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم و تفاسیر [پروفیسر غلام یحییٰ انجم کی نگارشات کا جائزہ]	پروفیسر عبد الرحیم قدوائی	۱۷
استخراجِ احکام میں امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ کے اسالیب کا موازنہ	محترمہ صائمہ ملک	۳۷

بحث و نظر

جنت میں داخلہ کی قرآنی ضمانتیں اور حدیثی تشریحات	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۵۵
سائنس اور ٹکنالوجی۔ اسلامی نقطۂ نظر	ڈاکٹر محمد رفعت	۶۹
اسلام میں کفالتِ عامّہ کا تصور	مفتی بخت شید	۷۵
کلامِ اقبال میں قرآنی تلمیحات	ڈاکٹر علی محمد بٹ	۸۹

تعارف و تبصرہ

نظرات فی کتاب اللہ	سید جلال الدین عمری	۱۰۹
ہند و پاک کے مشاہیر کی قرآنی خدمات	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۱۱۰
قرآن کریم اور درپیش مسائل کا حل	مولانا کمال اختر قاسمی	۱۱۳
فتاویٰ علمائے ہند	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۵
خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۷۶)	ادارہ	۱۱۹
مضامین کا انگریزی خلاصہ		۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

ڈائرکٹر یو جی سی ہیومن ریسورس ڈیولپمنٹ سینٹر، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
sulaim_05@yahoo.co.in

۲۔ محترمہ صائمہ ملک

ریسرچ اسکالر، شعبۂ علوم اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)
smalikfsd@gmail.com

۳۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سابق چیرمین، شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
mnzdigitalpoint@gmail.com

۴۔ ڈاکٹر محمد رفعت

پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف اپلائڈ سائنسز، فیکلٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹکنالوجی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
mohd.rafat@gmail.com

۵۔ مفتی بخت شید

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی وریسرچ اسکالر وفاقی اردو یونی ورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی (پاکستان)
bakhtshaid@gmail.com

۶۔ ڈاکٹر علی محمد بٹ

اسسٹنٹ پرفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، اونتی پورہ، جموں وکشمیر
alimohd1265@gmail.com

۷۔ مولانا محمد انس فلاحی مدنی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ
anasfalahi@gmail.com

۸۔ مولانا کمال اختر قاسمی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ
kamalakhtarq@gmail.com

۹۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مرکزی سکریٹری شعبۂ اسلامی معاشرہ، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی
mrnadvi@gmail.com

۱۰۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرفِ آغاز

مدرسۃ الاصلاح اوراس کی خدمات

سید جلال الدین عمری

مدرسۃ الاصلاح کے قیام پر ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس مناسبت سے 'تاریخ مدرسۃ الاصلاح' کے عنوان سے ایک سہ روزہ سمینار ۲/ ۳/ ۴/نومبر ۲۰۱۹ء کو منعقد ہوا۔ ۲/نومبر کو اس خاک سار نے افتتاحی خطبہ پیش کیا۔ وہ اس وقت اشاعت کے لیے دیا جارہا ہے۔ اس میں مدرسۃ الاصلاح کی خدمات، اس سے اپنے تعلق، مولانا فراہی کی قرآنی فکراور اس سلسلہ کی کوششوں کا ذکر ہے۔ اس کی نوعیت تعارف کی ہے۔ اس میں نقد ونظر، جائزہ واحتساب کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

مدرسۃ الاصلاح کے قیام پر ایک صدی گزر چکی ہے۔ وہ اپنی ایک تاب ناک تاریخ رکھتا ہے۔ اس وقت اس کے دورِ صد سال کی ورق گردانی کی جارہی ہے۔ اس کی خدمات اور اکتسابات کا جائزہ لیا جارہا ہے اور اس میں مزید ترقی کے امکانات تلاش کیے جارہے ہیں۔ یہ سمینار اسی مقصد سے منعقد ہورہا ہے۔ اس میں ایک غیر اصلاحی اظہارِ خیال کے لیے کھڑا ہے۔ نہیں معلوم، وہ اس کا حق ادا کر سکے گا یا نہیں؟

اس خاک سار کو آپ اصطلاحی معنیٰ میں اصلاحی نہیں کہیں گے اور اس کی سند بھی نہیں دیں گے، لیکن میری زندگی کا بڑا حصہ محترم مولانا ابو اللیث اصلاحیؒ سابق امیر جماعت اسلامی ہند، میرے مربی ومحسن مولانا صدر الدین اصلاحیؒ اور استاذ محترم مولانا جلیل احسن ندویؒ جیسے اصلاحیوں کے درمیان گزرا ہے اور ان سے میں نے حسبِ استطاعت کسبِ فیض کیا ہے۔ مولانا جلیل احسن ندوی، اصلاحی نہ ہوتے ہوئے بھی اصلاحی تھے اور اصلاحی فکر کے مستند ترجمان تھے۔ ان سے اس خاک سار کو شرفِ تلمذ حاصل ہے اور برسہا برس ان کی خدمت کی سعادت سے وہ بہرہ ور ہوتا رہا ہے۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ حیات ہوتے تو

اس سمینار میں ضرور شریک ہوتے۔ اس طرح ان کے ایک شاگرد کی سمینار میں شرکت باعثِ تعجب نہ ہونی چاہیے۔ ویسے میں مولانا نسیم ظہیر اصلاحی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سمینار میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے اسے بخوشی قبول کیا۔ مزید یہ کہ وہ بار بار یاددہانی بھی کراتے رہے۔ یہ ان کی محبت اور خلوص کی دلیل ہے۔

مدرسۃ الاصلاح میں پہلی حاضری

وقت کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے۔ وہ ہوا کے دوش پر چلتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ تقریباً چالیس برس قبل کی بات ہے۔ یکم مئی ۱۹۸۰ء کی تاریخ تھی۔ مدرسۃ الاصلاح کا بڑے پیمانے پر اجلاسِ عام تھا۔ میرے بے تکلف عزیز دوست ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی ان دنوں علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے۔ انہوں نے مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے قبول کرلی اور ان ہی کی رفاقت میں سرائے میر کا سفر ہوا۔ ان دنوں محترم مولانا ابواللیث اصلاحیؒ کا اپنے وطن چاند پٹی میں قیام تھا۔ اجلاس کی تیاری جاری تھی۔ مولانا کی عدم موجودگی کا سب کو شدید احساس تھا۔ ذمہ داروں کی فرمائش پر یہ عاجز اجلاس سے پہلے چاند پٹی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اصلاح پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ آپ کی شرکت سب کے لیے باعثِ مسرت ہوگی۔ مولانا نے فرمایا: تم پہلی بار میرے گھر آئے ہو، میں سرائے میر چلتا ہوں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اجلاس کے بعد دو چار روز تم میرے گھر قیام کروگے۔ یہ مولانا کی محبت اور خردنوازی تھی۔ مولانا نے شرکت فرمائی، البتہ اجلاس کے بعد میں چاند پٹی نہ جاسکا۔ معذرت کرلی۔

اجلاس میں دیگر مقررین کے ساتھ میں نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ موضوع غالباً مولانا فراہیؒ کی علمی خدمات تھا۔ مدرسۃ الاصلاح میں اجلاس ہو اور ذکرِ فراہی سے خالی ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔ اتنی بات یاد ہے کہ اجلاس کا حاصل مولانا بدرالدین اصلاحیؒ کا اختتامی خطاب تھا، جو بڑا ہی دل کش اور مؤثر تھا۔

یہ مدرسۃ الاصلاح کا میرا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد بار ہا حاضری کے مواقع ملتے رہے ہیں اور اس کی علمی مہک سے روح کو نشاط حاصل ہوتا رہا ہے۔

مولانا عبدالمجید اصلاحیؒ کا علی گڑھ میں کئی سال قیام رہا۔ بڑی پیاری اور دل آویز شخصیت تھی۔ ان سے خلوص اور محبت کا جو تعلق قائم ہوا، آخر دم تک باقی رہا۔ بعد میں وہ مدرسۃ الاصلاح کے صدر مدرس ہوئے۔ میرا جب کبھی جامعۃ الفلاح جانا ہوتا، مخدومی مولانا صدرالدین اصلاحیؒ سے ملاقات کے لیے پھول پور ضرور حاضر ہوتا۔ وہاں مولانا عبدالمجید اصلاحیؒ ملاقات کے لیے پہنچ جاتے۔ ان کے اصرار پر کبھی کبھی مدرسۃ الاصلاح پر حاضری اور اساتذۂ کرام سے استفادہ کے خوش گوار مواقع حاصل ہوتے۔ اس طرح کی مخلص شخصیتوں کو کس طرح فراموش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے لیے نہاں خانۂ دل میں جگہ ہوتی ہے۔

مدرسۃ الاصلاح اور جماعت اسلامی

مدرسۃ الاصلاح کا جماعت اسلامی سے خاص تعلق رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جماعت اسلامی کی تشکیلِ نو کے بعد مدرسۃ الاصلاح اس کا پہلا مرکز رہا ہے۔ یہیں سے اس کی سرگرمیاں انجام پاتی تھیں۔ مدرسۃ الاصلاح نے جماعت کو فکری قیادت فراہم کی اور ایسے رجالِ فکر وعمل دیے جنہوں نے اس وقت کے نازک حالات میں اقامتِ دین کے نصب العین کے لیے غیر معمولی سعی وجہد کی، اس کی اشاعت میں اپنی بہترین توانائیاں صرف کیں اور بڑی قربانیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے۔

مولانا فراہیؒ کے ذریعہ سے مدرسۃ الاصلاح کی پہچان

دوستو اور ساتھیو! بعض افراد اداروں سے پہچانے جاتے ہیں کہ انہیں فلاں ادارہ کی سند حاصل ہے، یا فلاں ادارہ سے وہ وابستہ ہیں، لیکن بعض شخصیتیں وہ ہوتی ہیں کہ ان سے اداروں کا تعارف ہوتا اور ان کا اعتبار قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح کی شخصیت علامہ حمیدالدین فراہیؒ کی تھی۔ وہ نابغۂ روزگار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی

صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ میر تقی میر کے اس شعر کے مصداق تھے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مدرسۃ الاصلاح کی شناخت مولانا فراہیؒ سے ہے۔ مدرسۃ الاصلاح کے ذکر کے ساتھ مولانا فراہیؒ کی قدآور شخصیت پردۂ ذہن پر ابھر آتی ہے۔

مولانا فراہیؒ کے سامنے مادّی ترقی کے وسیع امکانات تھے۔ انہوں نے ان سے نگاہ پھیر لی۔ آسائش کی زندگی کو ترک کرکے قصبہ سرائے میر کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے اور قرآن پر غور وفکر کے لیے یکسو ہو گئے۔ آج کتنے لوگ ہیں جو کسی اعلیٰ مقصد کے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکتے ہیں؟ اس طرح کی شخصیات قوموں کا سرمایہ اور ان کے لیے باعثِ افتخار ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے قوموں کو حیاتِ تازہ ملتی ہے۔

جن آنکھوں نے مولانا فراہیؒ کو دیکھا اور جنہیں ان کی صحبت حاصل رہی وہ سب کے سب ان کے تقویٰ اور خدا ترسی کی شہادت دیتے ہیں۔ یہ شہادت، توقع ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہوگی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے اثرات ان کی سیرت وکردار میں دیکھے جاتے تھے۔ ان کے علم اور ان کے تقویٰ نے انہیں قرآنی فکر کا حامل اور اس پر عامل بنایا۔ ان کی بلندیٔ فکر ودانش اور ان کے فقر وغنا نے مدرسۃ الاصلاح کو علمی اور دینی دونوں پہلوؤں سے رفعت وسربلندی عطا کی۔ اس طرح کی قربانیوں ہی سے ادارے وجود میں آتے ہیں اور انہیں نیک نامی اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ مدرسۃ الاصلاح ان خوبیوں سے ہمیشہ آراستہ پیراستہ رہے۔

مولانا فراہیؒ اور نظمِ قرآن

مولانا فراہیؒ کو تفسیر میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔ ان کی خاص دریافت نظمِ قرآن ہے۔ اس پر گفتگو سے پہلے اس کے تاریخی پس منظر کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی **الاتقان فی علوم القرآن** اپنے موضوع پر ایک مبسوط اور وسیع المعلومات تصنیف ہے۔ ا؎ اس میں انہوں نی **مناسبۃ الآیات و السور** کے عنوان سے بھی بحث کی ہے۔ ۲؎ اس کی اہم باتوں کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہاہے:

فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے قرآن مجید میں ربط ومناسبت ہی سے انکار کیاہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مختلف مواقع پر مختلف مناسبتوں سے نازل ہوتا رہاہے۔ اس میں ترتیب کی تلاش بے سود ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ قرآن کی ترتیب وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی ہے۔ یہ ترتیب لوح محفوظ میں اس کی ترتیب کے عین مطابق ہےتو اس میں ربط اور ہم آہنگی کا پایا جانا لازمی ہے۔

اس موضوع پر ابوجعفر شیخ ابوحیانؒ کی مستقل تصنیف ہے۔ اس کا نام انہوں نے **البرھان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن** رکھاہے۔ معاصرین میں شیخ برہان الدین بقاعیؒ نے 'نظم الدرر فی تناسب ال آی والسور' تصنیف کی ہے۔ خود سیوطی نے اپنی ایک کتاب 'تناسق الدرر فی تناسب السور' کا ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں: علم مناسبت ایک بلند پایہ اور رفیع المرتبت علم ہے۔ اس کی دقتوں کی وجہ سے مفسرین نے کم ہی اس کی طرف توجہ کی ہے۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی بیش تر باریکیاں اس کی ترتیب اور ربط میں پائی جاتی ہیں، لیکن زیادہ تر مفسرین اس سے صرفِ نظر کرجاتے ہیں۔ ابن عربی 'سراج المریدین' میں کہتے ہیں کہ علم کا اونچا مقام یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات، جن سے وہ ایک مسلسل مضمون بن جائے اور ان کے درمیان جو ربط وتعلق ہے اس سے واقفیت حاصل ہو۔ ایک صاحبِ علم نے اس کی طرف توجہ کی اور سورۂ بقرہ پر اس نقطۂ نظر سے کام کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری اس طرف رہ نمائی فرمائی۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ اس کی اہمیت ہی نہیں محسوس کی جارہی ہے تو ہم

ا۔ مکتبہ المعارف ریاض سے ۱۹۹۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن دوجلدوں میں شائع ہوا ہے۔
۲۔ جلد ثانی، ص ۲۹۹ تا ۳۱۷

نے اسے ترک کردیا۔ اسے ہم نے اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کا معاملہ رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ ابوبکر نیشاپوریؒ کو اس میدان میں شرفِ تقدم حاصل ہے۔ وہ شریعت اور ادب کا وسیع علم رکھتے تھے۔ جب درس کے لیے کرسی پر بیٹھتے اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی تو وہ سوال کرتے کہ یہ آیت اس آیت کے بعد کیوں آئی ہے؟ اس سورت کو اس سورت سے ملا کر رکھنے کی کیا حکمت ہے؟ پھر افسوس کرتے کہ علماء بغداد کی اس طرف توجہ نہیں ہے۔

یہ پوری تفصیل **الاتقان فی علوم القرآن** سے ماخوذ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے قرآن کے بعض ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں ماقبل و مابعد سے ربط تلاش کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔

دورِ جدید کے ایک ممتاز عالم دین شیخ محمد علی صابونی (استاذ جامعہ اسلامیہ، ملک عبدالعزیز مکہ مکرمہ) نے 'صفوۃ التفاسیر' کے نام سے تفسیر لکھی ہے۔ قرآن سے متعلق ان کی اور بھی تصانیف ہیں۔ ان کی اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام اہم تفاسیر کا خلاصہ آ گیا ہے۔ علماء نے اس پہلو سے اس کی ستائش کی ہے۔ اس میں انہوں نے ہر سورت سے پہلے اس کے مضامین اور مقاصد کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد وہ پیش نظر آیات کی آیاتِ سابقہ ولاحقہ سے مناسبت بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے لغت، بلاغت، اسبابِ نزول اور دیگر امور سے بھی بحث کی ہے۔ یہاں ابتدائی دو نکات ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔ لیکن ان کی علمی کوشش کے پورے اعتراف کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس میدان میں ان کے ہاں کوئی نئی تحقیق نہیں ملتی۔

آیات کے باہم ربط و تعلق اور سیاق و سباق سے ان کی مناسبت ہی کو نظم قرآن سمجھا جاتا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے طویل غور فکر کے بعد واضح کیا کہ نظم قرآن اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے کہا کہ پورا قران سورۂ فاتحہ سے معوذتین تک ایک مربوط کلام ہے۔ اس کی سورتیں، ان کی ترتیب، ان کی آیات، سب ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان کو الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ وہ سورت کے مضامین کا جس

طرح تجزیہ فرماتے ہیں اور آیات کا نظم بیان کرتے ہیں وہ اس سے بہت مختلف ہے۔

یہ قرآن کو اس کے اندر ڈوب کر داخلی شہادتوں کے ذریعہ سورت کے عمود یا مرکزی موضوع، ماقبل و مابعد کی سورتوں سے اس کا تعلق، ہم معنیٰ آیات کے فہم، الفاظ اور اسلوب بیان کے ذریعہ نظم کو سمجھنے کی کوشش ہے۔ اس میں خارجی ذرائع اور وسائل معاون تو ہوتے ہیں، لیکن نظم قرآن کی بنیاد نہیں ہوتے۔ مولانا کے نزدیک نظم قرآن وہ کلید ہے جس سے قرآن کی تعبیر و تشریح میں جو اختلافات ہیں وہ ختم کیے جا سکتے ہیں اور ان کا ایک مفہوم متعین ہو سکتا ہے۔

مولانا فراہیؒ قرآن مجید کو سرچشمۂ علم سمجھتے تھے۔ وہ تمام اسلامی علوم کو اس کی روشنی میں مرتب کرنا چاہتے تھے۔ بعض پر انہوں نے کام کا آغاز کیا اور بعض پر کام کے لیے مہلتِ حیات نے ساتھ نہ دیا۔ ایسے موقع پر افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے اور کسی نے کہا بھی کہ چند سال اور مل جاتے تو مولانا فراہی اپنا تشنہ کام مکمل کر دیتے۔ ان کی وفات سے دنیائے علم اس سے محروم ہو گئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے اپنی کتاب کی اور اپنے دین کی جتنی خدمت لینا چاہتا ہے، لیتا ہے۔ کسی میں یارا نہیں کہ اس کی مشیت میں دم مارے۔ اسے وہی سمجھ سکتا ہے۔ **وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ** ۔(التکویر:۲۹)

مولانا فراہیؒ کے خاص تلامذہ

مولانا فراہیؒ کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں مولانا اختر احسن اصلاحیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ جیسے تلامذہ ملے، جو دنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی کو تحریر و تقریر میں کمال حاصل تھا۔ وہ دورِ حاضر میں علوم اسلامی کے شناور اور معتبر صاحبِ قلم تھے۔ ان سے اختلاف کرنے والوں نے بھی ان کی علمی عظمت تسلیم کی ہے۔ انہوں نے مولانا فراہیؒ کے بعض رسائل اور تفسیری اجزاء کا ترجمہ کیا۔ اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' اور دوسری تصانیف کے ذریعہ مولانا فراہیؒ کے فکر کو اردو دنیا سے اس طرح روشناس کرایا کہ فراہی اسکول کی بنیاد پڑ گئی اور اس پر ریسرچ اور تحقیق کرنے والوں

کی ایک ٹیم تیار ہوگئی۔ یہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی فکر فراہی کی نمایاں خدمت ہے۔

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ مولانا فراہیؒ کے سب سے بڑے فکری جانشین تھے۔ ان کی وفات پر مولانا جلیل احسن ندویؒ نے فرمایا: وہ شخص دنیا سے اٹھ گیا جس کی طرف قرآن سمجھنے کے لیے رجوع کیا جاتا تھا۔ اسی طرح کا تأثر ان کے رفیقِ درس مولانا امین احسن صاحبؒ کا تھا۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''قرآن مجید کے آخری پارے میں بہت سے مقامات حل طلب ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ گرمی کی تعطیلات میں مولانا اختر احسن کے ساتھ مل کر ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ مولانا اس کے لیے تیار بھی ہیں۔'' لیکن غالباً اس کی نوبت نہیں آئی۔

مولانا اختر احسنؒ سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ وہ قرآنی بصیرت ہی میں نہیں، تقویٰ وطہارت میں بھی اپنے استاذ مولانا فراہیؒ کا عکسِ جمیل تھے۔ اپنے محدود تعلق کے باوجود یہ عاجز بھی اس کی شہادت دے سکتا ہے۔

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی پیدائش ۱۹۰۱ء کی ہے اور ۱۹۵۸ء میں وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ ان کا تحریری سرمایہ کم ہے، البتہ ان کی کوشش سے مولانا کی بعض تصنیفات ہندوستان سے خطِ نستعلیق (فارسی رسم الخط) میں شائع ہوئیں۔ انہوں نے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد چھوڑی۔ مولانا ابواللیث اصلاحیؒ اور مولانا صدرالدین اصلاحیؒ جیسی شخصیات کو ان سے تلمذ حاصل رہا ہے۔

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ جماعت اسلامی ہند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔ جماعت میں انہیں سب سے بڑے دینی رہ نما کی حیثیت حاصل تھی۔ اس موقع پر مولانا مرحوم سے اپنے تعلق کا اظہار نامناسب نہ ہوگا۔

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے راقم کا تعلق

یہ خاک سار ۱۹۵۴ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد سے فراغت کے بعد مرکز جماعت میں زیر تربیت طالب علم تھا۔ زیادہ تر وقت مولانا جلیل احسن ندویؒ کی صحبت میں گزرتا۔ مولانا اختر احسن مرحوم اجلاس شوریٰ میں شرکت کے لیے رام پور تشریف

لاتے تو فرصت کے اوقات میں مولانا جلیل احسن ندویؒ ہی کے کمرے میں تشریف فرما ہوتے اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور استفادہ کی کوشش کرتا۔ مولانا کبھی کبھی اعظم گڑھی لہجے میں بات کرتے اور فرماتے: ”تم اس کا لطف نہیں لے سکتے۔“ مولانا کی خشکیٔ مزاج کا ذکر تو میں نے سنا ہے، لیکن مولانا کا جس محبت اور شفقت کا میرے ساتھ معاملہ تھا، میں اسے فراموش نہیں کر سکتا۔

ایک روز مولانا ابواللیث اصلاحیؒ امیر جماعت اسلامی ہند نے فرمایا کہ مولانا اختر احسن تمھیں مدرسۃ الاصلاح لے جانا چاہتے ہیں اور وہاں کے لحاظ سے جو سہولتیں ہو سکتی ہیں، وہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا: اس میں میری کوئی رائے نہیں ہے، بلکہ تمھیں فیصلہ کرنا ہے، سوچ لو۔ میں نے عرض کیا: میں درس و تدریس میں لگنا نہیں چاہتا۔ مجھے مضمون نویسی سے دل چسپی ہے۔ اسی ذریعہ سے دین کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے کہا: تمہاری مرضی۔ اس پر بات ختم ہوگئی۔ بعد میں مرکز جماعت میں تصنیف و تالیف کے مواقع حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے قلم کے ذریعہ کسی قدر خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائی۔

تفسیر نظام القرآن

مولانا فراہیؒ نے اپنے نہج پر تفسیر لکھنی شروع کی، لیکن وہ اس کا مقدمہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی ۶۲ آیات اور سورۂ آل عمران کے ایک حصہ کی تفسیر ہی لکھ سکے۔ یہ شائع ہو چکی ہے۔ بعض نسبتاً چھوٹی سورتوں کی الگ سے بھی تفسیر لکھی، جو 'تفسیر نظام القرآن' کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

پورے قرآن مجید پر ان کے نوٹس ہیں، جو 'تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم' کے عنوان سے ڈاکٹر عبید اللہ فراہی نے دو جلدوں میں شائع کیے ہیں۔ قرآنیات کے طالب علم کے لیے یہ بڑے گراں بہا نوٹس ہیں۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ کے پاس ان نوٹس کی نقل تھی۔ مشکل ہی سے انہیں دیکھنے کی اجازت ہوتی۔ ان تعلیقات کی مراجعت مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی مرحوم (۱۶ / دسمبر ۱۹۳۵ء۔ ۱۹ / مارچ ۲۰۱۹ء) نے کی ہے۔

مولانا امانت اللہ مدرسۃ الاصلاح کے نام ور فرزند رہے ہیں۔ ابھی حال میں وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ تفسیر پر ان کی وسیع اور ناقدانہ نظر تھی۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی تیسیر القرآن

مولانا فراہیؒ سے نسبت رکھنے والے وسیع حلقے میں باقاعدہ تفسیر کا آغاز استاذ محترم، مشہور عالم دین اور مصنف مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے ۱۹۵۱ء میں کیا۔ وہ جماعت اسلامی ہند کے فکری رہ نما اور اقامت دین کے داعی تھے۔ انہیں مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے تلمذ بھی حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی تفسیر 'تیسیر القرآن' میں فکرِ فراہی کی ترجمانی کی ہے۔ ماہ نامہ زندگی رام پور میں اس تفسیر کا سلسلہ شروع ہوا اور سورۂ بقرہ کے مکمل ہونے پر منقطع ہوگیا۔ اس طرح مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کو مولانا فراہیؒ کے افکار کی روشنی میں پہلی تفسیر لکھنے کی سعادت حاصل ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کے صاحب زادے رضوان احمد فلاحی کی کوشش سے چالیس برس کے بعد یہ تفسیر ماہ نامہ زندگی کی فائل سے نکل کر کتابی شکل میں شائع ہوچکی ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے متعلق مولانا کے بعض مضامین بھی ضمیموں کی شکل میں اس میں شامل کردیے ہیں۔ 'تیسیر القرآن' پر اس عاجز نے تفصیلی مقدمہ تحریر کیا ہے، جس میں اس کے خاص نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی نے مارچ ۲۰۱۳ء میں اس تفسیر کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ افسوس کہ خود اصلاحی حلقے میں اس تفسیر کا ذکر کم ہی ہوتا ہے۔ بہت بعد میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی 'تدبر قرآن' شائع ہوئی، جو پورے قرآن مجید کی مبسوط تفسیر ہے۔ اس سے مولانا فراہیؒ کی تفسیری آراء کو سمجھنے میں سب سے زیادہ مدد ملتی ہے۔

مولانا فراہیؒ کی تصنیفات کی اشاعت

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اسے مولانا فراہی کی خوش قسمتی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ادھورے اور نامکمل مسودات، تہذیب و تنقیح اور تحقیق کے ساتھ

شائع ہو رہے ہیں۔ اس کا آغاز ان کے شاگرد مولانا بدرالدین اصلاحیؒ نے کیا اور 'دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل، اسالیب القرآن، فی ملکوت اللہ' کو تحقیق و تفتیش کے بعد علمی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبیداللہ فراہی کی ترتیب و تحقیق کے ساتھ مولانا فراہیؒ کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں 'تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم' کے علاوہ 'حجج القرآن'، 'حکمۃ القرآن' اور 'رسائل فی علوم القرآن' شامل ہیں۔ مولانا فراہیؒ پر ان کی خدمات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

مولانا کی 'مفردات القرآن' پر ڈاکٹر اجمل ایوب اصلاحی نے جو علمی کاوش کی ہے، وہ جدید طرزِ تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس معیارِ تحقیق کے ساتھ کم ہی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ یہ پہلی مرتبہ دارالغرب الاسلامی بیروت سے شائع ہوئی۔ بعد میں دائرہ حمیدیہ سے بھی اس کا عکس شائع ہوا ہے۔ 'اقسام القرآن' اور 'الرائ الصحیح' ان کی توجہ اور نظر ثانی کے بعد عرب کے معروف مکتبوں سے شائع ہو چکی ہیں۔

مولانا کے مسودات کی اشاعت کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب کہ ہم کہہ سکیں گے کہ مولانا فراہی کے تمام مخطوطات مطبوعہ شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ اہل علم مولانا کے مجموعی فکر پر اظہارِ خیال کر سکتے ہیں۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کے فکر سے عرب دنیا متعارف ہو گئی اور ان کے درمیان اس پر بحث کا آغاز ہو چکا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مساعی حسنہ کو شرف قبولیت عطا کرے۔ مدرسۃ الاصلاح اور فرزندانِ اصلاح کو اپنی کتاب کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق سے نوازے۔ انہیں اللہ کی اس کتاب کو اپنی زندگی میں اتارنے، اسے عام کرنے اور اس راہ کی دشواریوں پر قابو پانے کی ہمت اور حوصلہ عطا کرے۔ دنیا آج قرآنی ہدایت کی محتاج ہے۔ اس احتیاج کو رفع کرنا حاملینِ قرآن کا فرض ہے۔ کس قدر خوش بختی ہوگی کہ اس کا عَلَم اصلاح کے ہاتھ میں ہو۔

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی؟ یہ وقت کا اہم موضوع ہے۔ اس سلسلے میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسرں کو موجبِ گردن زنی قرار دیتا ہے اور اس میں مذہبی رواداری اور وسعتِ فکر وعمل نہیں پائی جاتی۔ اس کتاب میں غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی مذہبی آزادی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلقات پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق اور امورِ سلطنت میں ان کی شرکت پر تفصیل سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف کے جان دار اور رواں دواں قلم نے سلیس اور دل کش اسلوب میں ان پیچیدہ مسائل کو بڑی عمدگی سے حل کیا ہے۔

ہندوستان کے پس منظر میں یہ موضوع خاص اہمیت کا حامل ہے۔ غیر مسلموں سے تعلقات کے موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی مفصل کتاب اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی ایک اہم ضرورت۔

طبع چہارم | صفحات: ۳۲۰ | قیمت: ۱۸۵/- روپے

اس کا انگریزی ترجمہ Relation with Non- Muslims and their Rights کے نام سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی نے اعلیٰ معیار سے شائع کیا ہے۔

صفحات: ۳۱۹، قیمت ۳۱۰/- روپے

تحقیق وتنقید

قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر

[پروفیسر غلام یحییٰ انجم کی نگارشات کا جائزہ]

—————— پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اپنے اس مقالے میں پروفیسر غلام یحییٰ انجم کی تصنیف 'قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم' کے تنقیدی جائزے میں اس کی فروگزاشتوں ہی کی نشان دہی نہیں کی ہے، بلکہ قرآن مجید کے اردو تراجم کا دورِ حاضر تک تفصیلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ خوشی ہے کہ اس سلسلے میں اردو زبان کو دوسری زبانوں پر سبقت حاصل ہے۔

(جلال الدین)

ہر چند کہ اردو زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کی روایت اپنی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے اس قدر تاب ناک ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں مکمل اور جزوی تراجم قرآن مجید کی تعداد سب سے زیادہ اسی میں ہے۔ فارسی، ترکی اور انگریزی سے کہیں زائد۔ (دیکھیے اکمل الدین احسان اوغلو کی مستند دستاویزی کتابیات World Bibliography of the Translations of the Holy Quran استنبول، ۱۹۸۶ء) لیکن اردو میں اس موضوع پر کتابیات اور تنقیدی مطالعات خال خال ہیں۔ اس موضوع پر تصانیف برائے نام ہی نہیں، اپنے مندرجات کے اعتبار سے غیر علمی اور غیر مستند بھی ہیں۔ اس پس منظر میں کتاب 'قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر' کی اشاعت خوش آئند ہے کہ یہ مقتدر ادبی ادارے 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' نئی دہلی کی اشاعت ہے اور اس کے مرتب سرسٹھ (٦٧) برسوں (اس میں یقیناً سہو کاتب شامل ہے) سے درس وتدریس اور تحقیق سے وابستہ (اقتباس پشت

کتاب) اور اسلامیات کے کہنہ مشق اور ممتاز مصنف پروفیسر غلام یحییٰ انجم ہیں، جو شعبۂ اسلامیات، جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے صدر کے منصب پر فائز رہے ہیں۔

زیر نظر تصنیف اصلاً ایک جامع کتابیات ہے اور اس کا ایک اور اہم مقصد مذکور تراجم اور تفاسیر پر محاکمہ ہے۔ اس نوع کی تصنیف میں مندرجہ ذیل بنیادی صفات کا پایا جانا لازمی ہے:

مرتب کے ذہن میں ایسا واضح نقشہ جس کی رو سے ہر ترجمے/تفسیر سے متعلق ضروری اشاعتی تفصیلات درج ہوں، مثلاً ناشر، سنۂ اشاعت، صفحات اور ایڈیشن کی تعداد۔ اس کا التزام اوغلو کی مذکورہ بالا کتابیات اور راقم الحروف کی مندرجہ ذیل کتابیات میں ہے:

Bibliography of the Translations of the Quran into English 1649-2002، کنگ فہد قرآن پرنٹنگ پریس، مدینہ منورہ، ۲۰۰۷ء، صفحات: ۴۷۰۔ ان دونوں کتابیات میں یہاں تک صراحت ہے کہ کس ترجمے کا کون سا ایڈیشن دنیا کے کس کتب خانے میں اور کس شمار نمبر کے تحت دست یاب ہے؟ ان بنیادی امور کے بغیر تصنیف کی حیثیت ایک غیر علمی فہرست سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اس نوع کی تصنیف کا اہم تر پہلو ہر ترجمے/تفسیر کا معروضی محاکمہ ہے، تاکہ ہر مترجم یا مفسر کے مسلکی اور ذہنی وفکری رجحانات سامنے آئیں۔ اس کا مقصود مسلکی عصبیت کا فروغ مطلق نہیں، بلکہ قارئین اور علمی دنیا کی راہ نمائی ہے۔ یہ صراحت غیر ضروری ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے پر انحصار ایسے قارئین کا ہوتا ہے جو عربی زبان سے نابلد ہونے کے باعث قرآن مجید کے متن اور پیغام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور وہ منشائے الٰہی کے فہم کے لیے کسی ترجمے کا سہارا لیتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر قرآن مجید کے مترجم پر اظہارِ حق کی ذمہ داری دوگنی ہوتی ہے۔ اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کے عقیدے کے باعث اس کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ قارئین کے سامنے پیغامِ الٰہی کی بلا کم وکاست ترجمانی اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پیش کرے۔ چوں کہ قارئین مترجم پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ ان کو قرآن مجید کے عربی متن کے معنیٰ اور مفہوم

سے روشناس کرائے گا، لہٰذا اس امانت کا بھی تقاضا ہے کہ مترجم قرآن مجید کے پیغام کی من وعن ترسیل کرے۔ یہ ذمہ داری پروفیسر غلام یحییٰ انجم جیسے مبصر اور مرتب کی ہے کہ وہ اپنے محاکمے کے ذریعہ زیرِ تذکرہ مترجم کے انحرافات، ذہنی تحفظات اور فکری کج روی کے بارے میں قارئین کو مطلع بلکہ خبر دار کرے کہ کس مترجم رمفسر کے ہاں اس کے ذاتی، مسلکی، گروہی یا نظریاتی مزعومات کا غلبہ ہے اور کلام اللہ کی ترجمانی کے پس پردہ وہ اپنے تعصّبات اور خواہشات کو عین پیغام الٰہی کے طور پر پیش کرنے کی جسارت کرے تو مبصر کا یہ دینی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ قارئین کو اس مترجم رمفسر کے مقاصد اور عزائم سے آگاہ کرے، ورنہ قوی خدشہ ہوگا کہ ناواقفِ حال اور سادہ لوح قارئین اس کے پیش کردہ ملغوبے ہی کو قرآن مجید کا پیغام سمجھ بیٹھیں۔

شومئی قسمت سے ترجمۂ قرآن مجید کے باب میں یہ فتنۂ عظیم عرصے سے جاری ہے۔ ۱۹۳۰ء تک کسی مسلمان مصنف کا معیاری، مکمل انگریزی ترجمۂ قرآن موجود نہ تھا۔ تمام غیر مسلم اور مسلم انگریزی داں بھی مستشرقین اور قادیانی اہلِ قلم کے ایسے تراجم پر انحصار کرنے پر مجبور تھے جن کا اسلام، قرآن مجید اور سیرتِ طیبہ کی حقانیت پر اعتبار ہی نہیں تھا۔ ایک چشم کشا مثال یہ ہے کہ ۱۹۵۶ء میں معروف مغربی اشاعتی ادارے پینگوین (Penguin) نے این، جے، داؤد نامی مصنف کا انگریزی ترجمۂ قرآن مجید شائع کیا۔ ناشر کے بہترین تجارتی روابط کی بدولت یہ ترجمہ جلد ہی مغرب کے کتب خانوں اور کتب فروشوں کے ہاں رائج ہوگیا۔ داؤد نام بظاہر مسلمان کا ہے، مسلمان قارئین تک کے لیے باعثِ کشش اور قابلِ اعتماد ہے۔ اصلاً یہ مترجم نسیم جوزف داؤد (ڈیوڈ) نامی عراقی یہودی ہیں۔ انھوں نے اپنے عقائد کے زیر اثر اپنے ترجمے کے تعارفی صفحات میں اسلام اور سیرتِ طیبہ کو ممکنہ حد تک مطعون کیا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں کی اوایلِ اسلام میں مبینہ نسل کشی پر انتہائی غیظ وغضب کا اظہار کیا ہے اور اسلام اور قرآن مجید کو قتل وخوں ریزی کے ہم معنیٰ قرار دیا ہے۔ اسی طرح متعدد مکمل انگریزی تراجم قادیانی اہلِ قلم کے ہیں، جن کے نام خالصتاً مسلمان ہی ہیں۔ مثلاً محمد علی، بشیر الدین محمود، شیر علی، غلام ملک فرید،

ظفر اللہ خاں اور امۃ الرحمن عمر۔ ان کی نظریاتی وفاداری کلام اللہ سے کم اور مرزا غلام احمد کے ہفوات سے زیادہ ہے۔ گزشتہ دو عشروں سے اب ایک نیا فتنہ مسلمان نام کے حامل لیکن صریحاً اسلام دشمنی پر عامل ایسے مترجمین اور مفسرین کا پیدا ہوا ہے جن کا واحد مقصد اسلام کی بیخ کنی ہے۔ کمپیوٹر پر تیار اور دست یاب ان فتنہ پرور مطبوعات کا سراغ لگانا اور زیادہ دشوار ہے کہ ناشر یا اشاعتی ادارے کے توسط کے بغیر اب کوئی بھی شخص ایسی نام نہاد تصانیف کو کمپیوٹر پر نصب کر دیتا ہے۔ اغلب ہے کہ اسلام دشمن عناصر اس فعل شنیع کے لیے مسلمان نام استعمال کرتے ہیں۔ نام نہاد (Reformed) مسلمان گروہ کی جانب سے ایسا ایک دل آزار ترجمہ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد اعجاز چودھری اور قادر عبد اللہ سے منسوب ایسے ہی انتہائی قابلِ اعتراض تراجم علی الترتیب ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آئے۔ (ان تراجم پر تبصروں کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی تصنیف: God's Word, Man's Interpretation: A Critical Study of the 21st Century English Translations of the Quran. ، ویوابکس، دہلی، ۲۰۱۸ء۔ غرض یہ کہ ترجمے کے نام پر قرآن مجید کے پیغام کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش جاری ہے۔ اس پس منظر میں پروفیسر انجم جیسے مبصر کی یہ ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے کہ وہ دیانت اور صراحت کے ساتھ ہر مترجم کی فکری ترجیحات اور مسلکی وفاداری کو قارئین کی رہبری کے لیے واضح کرے۔ اسی طرح ہر ترجمے/تفسیر کے امتیازات، تسامحات، زبان و بیان کے معیار، پیش کش کے انداز، علمی سطح، قرآن فہمی کے لیے اس کی افادیت اور مغالطوں اور تسامحات کی نشان دہی بھی اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اس نوع کا بے غبار نقشہ مبصر کے دل و دماغ پر ثبت ہونا چاہیے۔ بہ صورت دیگر اس موضوع پر تصنیف اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے گی۔

پروفیسر انجم کی اس تصنیف کا دائرہ ناقابل عمل حد تک وسیع و عریض ہے۔ اسی وجہ سے اس میں کثرت سے اغلاط در آئی ہیں۔ اپنے موضوع کے بارے میں خود مصنف کا ذہن واضح نہیں ہے۔ اس کا ثبوت اس کتاب کا عنوان ہے: 'قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم'۔ یہاں مشار الیہ ہندوستانی زبان یقیناً نہیں ہے کہ یہ زبان ہی موہوم

ہے، کجا کہ اس کا تفسیری سرمایہ۔ مراد اگر ہندوستان ہے تو کس دور سے کب تک؟ اور کیا ہندوستان کی سب زبانیں زیرِ مطالعہ ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ موضوع ایک تصنیف نہیں، بلکہ ہر ہندوستانی زبان میں تراجم اور تفاسیر کا تنقیدی جائزہ ایک علیٰحدہ تصنیف کا متقاضی ہے۔ فاضل مرتب کے ہاں اس باب میں انتشارِ ذہنی اس لحاظ سے بھی ہے کہ ہندوستان کے تراجم اور تفاسیر سے متعلق اس کتاب میں یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک سے شائع مطبوعات کا بھی ذکر ہے، بلکہ ان کی تصنیف کے سترہ (۱۷) ابواب غیر ہندوستانی زبانوں اور غیر ملکوں کے لیے مختص ہیں۔ (باب ۱۸/ اور ابواب ۱۳۱/ سے ۴۷/ص ۵۵۳۔ ۵۵۴ اور ۵۶۸۔ ۵۹۲)۔ یہ کیفیت مکانی پہلو کی ہے۔ زمانی پہلو بھی اتنا ہی مبہم اور پیچیدہ ہے، بلکہ اس کے بارے میں فاضل مرتب کا سکوت ناقابلِ فہم ہے۔ کتابیات ایک متعین دور سے متعلق ہوتی ہے۔ اس کی تعیین کے بغیر کتابیات میں قطعیت اور جامعیت نہیں آسکتی، جو عین مطلوب ہے۔

فاضل مرتب کی محنتِ شاقہ قابلِ داد ہے۔ چھ سو (۶۰۰) صفحات کی اس ضخیم تصنیف میں صدہا مکمل اور جزوی تراجم اور تفاسیر کا ذکر یقیناً آ گیا ہے، لیکن یہ معلومات زیادہ تر ثانوی مآخذ کی مرہون منت ہیں، مثلاً باب ۱۲ 'شیعی علماء کے قرآنی تراجم اور تفاسیر' (ص ۴۵۸۔ ۵۴۲) کے بارے میں ہے۔ توقع قدرۃً یہ ہوتی ہے کہ فاضل مصنف ان شیعہ تراجم اور تفاسیر کے مالہ وماعلیہ پر اپنی بصیرت افروز آراء پیش کریں گے۔ نمائندہ شیعہ تفاسیر کا اس طور پر محاکمہ کریں گے کہ شیعی عقائد اور تصورات منقح ہوجائیں گے اور قارئین پر واضح ہوجائے کہ وہ جمہور سے کن کن نکات پر متفق یا غیر متفق ہیں؟ صحتِ قرآن مجید کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ ان کے تفسیری مآخذ ومصادر کیا ہیں؟ ان کے نمایاں فکری اور نظریاتی رجحانات کیا ہیں؟ ہندوستانی شیعہ علماء ایران، عراق اور عالمِ اسلام کے شیعہ فضلا سے کس حد تک متأثر ہیں؟ اپنے مخصوص عقائد اور تصورات کے لیے انھوں نے کن نصوص کو اختیار کیا ہے؟ وغیرہ۔ لیکن بوالعجبی یہ ہے کہ اس پورے باب میں فاضل مرتب نے ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا ہے۔ ذکر یقیناً ایک سو

باون (۱۵۲) شیعہ تراجم/تفاسیر کا آیا ہے، لیکن پورا باب ۳ یا ۴ شیعی ثانوی مآخذ کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ مرتب کی جانب سے مطلق کوئی نقد ونظر نہیں۔ یہ محض فہرست سازی ہے، جس کا تنقید وتجزیہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

بعض ابواب کے عنوانات انتشارِ ذہنی کے آئینہ دار ہیں۔ مثلاً باب ۴ کا عنوان ہے: 'قرآن کریم کی ہندوستانی تفاسیر' (ص ۱۷۱۔۳۰۰) یہاں زیرِ گفتگو صرف اردو تراجم اور تفاسیر ہیں۔ باب چھ (۶) کا عنوان 'قرآن کریم کے اردو فارسی تراجم' (ص ۳۶۵۔۳۹۶) بھی اسی ژولیدہ بیانی کا شکار ہے، کیوں کہ اس باب میں جن تراجم اور تفاسیر کا تذکرہ ہے وہ یہ ہیں: بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی، ترجمۂ قرآن از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمۂ قرآن از مولانا وحید الدین خان، ترجمۂ قرآن از عبد الحق حقانی اور تفسیر القرآن از سر سید۔ ان تصانیف کو کس منطق کی رو سے 'اردو فارسی تراجم' کے ذیل میں شامل کیا جاسکتا ہے؟ باب تیرہ (۱۳) کا عنوان ہے: 'قرآن کریم کی موضوعی تفسیر' (ص ۵۴۳۔۵۴۴) اس باب میں ان تفاسیر کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مختلف موضوعات پر تحریر کی گئی ہیں۔ حدیث کے ضمن میں 'موضوع' جیسی معتوب اور بدنام اصطلاح کے استعمال سے گریز ہی بہتر ہے۔ مزید برآں، اردو میں موضوعی، معروضی کے متضاد کے طور پر مستعمل ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات علی الترتیب داخلی اور غیر جذباتی رویے کے مرادف ادبی تنقید میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ یہاں ان کے استعمال کا کوئی محل نہیں۔

ان عیوب سے قطع نظر بعض ابواب اپنے عنوانات اور مندرجات، دونوں لحاظ سے محققین اور قارئین کے لیے بیش قیمت اور فاضل مرتب کی دیدہ وری اور دیدہ ریزی کے شاہد ہیں۔ مثلاً باب ۹ 'قرآن کریم کے منظوم تراجم اور تفاسیر' (ص ۴۲۱۔۴۴۸)، باب ۱۰ 'قرآن کریم کی آیاتِ احکام کی تفاسیر' (ص ۴۴۹۔۴۵۴)، باب ۱۴ 'قرآن کریم کے قادیانی تراجم اور تفاسیر' (ص ۵۴۵۔۵۴۸) اور باب ۱۱ 'تفاسیر قرآن کریم کی ہندوستانی شروح وحواشی اور تعلیقات' (ص ۴۵۵۔۴۸۴)۔ مؤخر الذکر باب کے عنوان میں برائے بیت ذکر 'ہندوستا'' کا ہے۔ اصلاً یہاں مراد ہندوستان میں اردو کی

شروح ہیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ ان شروح کا تعلق ان تفاسیر سے ہے جو مدارس کے نصاب کا جزو ہیں۔ بیش تر شروح تفسیر بیضاوی، مدارک التنزیل اور تفسیر جلالین پر ہیں۔ علم التفسیر سے فاضل مرتب کے شغف اور درک کا جلوہ ان کے مفصل اور عالمانہ 'کلماتِ تقدیم' (ص ۶۵۔ ۱۷۰) میں نمایاں ہے۔ اس مقدمے میں ان کے پیش نظر یہ مباحث ہیں: علوم القرآن کا جائزہ، تفسیر کے لیے درکار علوم کا تعین، طبقاتِ مفسرین اور ممتاز مفسرین کا تذکرہ۔ البتہ ایک مبہم اور اشاراتی ذیلی عنوان 'ہندوستان میں تفسیر نویسی کا آغاز' کے تحت سرسیدؒ اور سید مودودیؒ کے بارے میں ان کی آرا کا پیرایہ غیر علمی، غیر واضح اور نامناسب ہے۔ سرسید سے متعلق وہ رقم طراز ہیں: ''سرسید احمد خاں نے اپنے خاص نظریہ کو سامنے رکھ کر ابتدائی چودہ پاروں کی تفسیر لکھی۔ اس میں انھوں نے اردو زبان کا کچھ نیا ڈھنگ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔'' (ص ۱۵۸) کسی علمی اور تحقیقی تصنیف میں 'خاص نظریہ' اور 'کچھ نیا ڈھنگ' جیسی اشاراتی تراکیب کا الفاظ مناسب نہیں۔ اگر مرتب کے پیش نظر سرسید کے تفسیری تفردات یا ان کا نیم معتزلہ، معذرت خواہانہ طرزِ تفسیر ہے تو اس کی صراحت لازم ہے، تاکہ قارئین کی رہ نمائی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید نے اپنی تفسیر اور دیگر تحریروں میں مروّجہ، مقفّٰی و مسجّع، ثقیل عربی اور فارسی زدہ زبان کے بجائے سادہ، روزمرہ کی اردو زبان دانستہ استعمال کی ہے۔ اسی لیے ان کا شمار معمارانِ اردو نثر میں ہوتا ہے۔ اس معروف بلکہ پامال نکتے کی ادائیگی کے لیے 'کچھ نیا ڈھنگ' کا اشارہ یا کنایہ زیب نہیں دیتا۔ فاضل مرتب نے سید مودودیؒ کی تفسیر کو ان الفاظ میں متعارف کیا ہے: ''مولانا مودودی نے خاص مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر پر مشتمل قرآن پاک کی تفسیر لکھی''۔ (ص ۱۵۸) یہاں بھی 'خاص' صیغۂ راز میں ہے۔ قارئین کو مطلق علم نہیں ہوتا کہ یہ خاص نقطۂ نظر کیا ہے؟ اسی طرح 'مذہبی' کا طعن آمیز ذکر بھی ناقابلِ توجیہ ہے۔ اگر تفسیر میں مذہبی نقطۂ نظر نہ اختیار کیا جائے تو پھر اس کے استعمال کا اور کیا محل ہے؟ ان مقامات پر فاضل مرتب کو اپنا مافی الضمیر واضح اور متعین طور پر بیان کرنا چاہیے تھا۔ غالباً یہ کتابت یا جلد بندی کا سہو ہے کہ سرسید پر محاکمے کے آخر میں یہ

مذکور ہے: ''ان حقائق کے باوجود یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے، جس کا اظہار شیعی عالم سید مرتضیٰ حسین نے کیا ہے۔'' (ص ۱۶۰) البتہ انھوں نے جو طویل اقتباس نقل کیا ہے، اس کا سرسید یا ان کی تفسیر سے کوئی تعلق نہیں کہ اس کا موضوع ۸۸۳ء کی کوئی مبینہ تفسیر ہے۔

فاضل مرتب کے علم وفضل کے باوصف اس تصنیف کے کئی کم زور پہلو ہیں۔ یہ مشاہدات برائے تنقیص نہیں، بلکہ اس توقع کے ساتھ پیش ہیں کہ ان سے فاضل مرتب کو نظرِ ثانی کرنے میں مدد ملے گی۔

غیر علمی/غیر مستند اندراجات

☆ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کی فہرست فاضل مرتب نے محض ایک رسالے برہان ۱۹۴۰ء کی سند پر پیش کی ہے اور اس فہرست کے 'موجودہ معلومات' کے مطابق ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے، گو اس بابت کوئی حوالہ یا ماخذ درج نہیں۔ (ص ۱۶۹) ۲۰۱۷ء میں طبع شدہ تصنیف میں حوالہ ۱۹۴۰ء کے ایک ثانوی مآخذ کا ہو، یہ تحقیق کے خونِ ناحق کے مترادف ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں قرآن مجید کے تراجم کی تعداد روز افزوں ہے۔ اس کے اسباب وعوامل ایک علیحدہ مقالے کا موضوع ہیں۔ راقم الحروف کو انگریزی تراجم کی پیش رفت کا براہِ راست علم ہے۔ اس ضمن میں فاضل مرتب نے صرف چھبیس (۲۶) انگریزی تراجم کا ذکر کیا ہے، جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ ۱۹۹۹ء تک صرف مکمل انگریزی تراجم کی تعداد ستّر (۷۰) تھی، جو ۲۰۱۷ء یعنی صرف اٹھّارہ (۱۸) برس میں تقریباً دوگنی یعنی ایک سوتیس (۱۳۰) ہوگئی۔ ان مکمل تراجم کے مفصل اشاعتی کوائف میری مرتبہ درج ذیل کتابیات اور تصانیف میں مذکور ہیں:

1. Abdur Raheem Kidwai, Bibliography of the Translations of the Glorious Quran: 1649-2002

کنگ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ، سعودی عرب، ۲۰۰۷ء

2. Abdur Raheem Kidwai, Translating the Untranslatable: A

Critical Guide to 60 English Translations of the Holy Quran

سروپ بک، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

3. Abdur Raheem Kidwai, God's Word, Man's Interpretation: A Critical Study of the 21st Century English Translations of the Quran.

ویوابکس، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء

دنیا کی تمام زبانون میں تراجم قرآن کی معیاری اور جامع کتابیات مرتبہ ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو اور زیرِ نظر تصنیف میں درج تراجم کی تعداد (ص ۱۶۹) کا موازنہ پیش ہے، جس سے اس تصنیف کے سطحی اور ناقص اعداد وشمار کا اندازہ ہوتا ہے:

زبان	تعداد زیر نظر تصنیف میں ۲۰۱۷ء تک	تعداد اکمل الدین اوغلو کی کتابیات میں ۱۹۸۰ء تک
اردو	۹۲	۷۷۰
انگریزی	۲۶	۴۲۶
فارسی	۵۲	۱۷۲
پنجابی	۶	۶۰
جرمن	۱۶	۸۹
ڈچ	۵	۲۹
سواحلی	۶	۱۵
پشتو	۱۴	۳۷
بنگلہ	۶	۱۳۴
تامل	۱	۱۵
ہسپانوی	۶	۳۵
ترکی	۷	۳۰۴
فرانسیسی	۲۲	۱۳۷
انڈونیشی	۱	۶۲

دونوں کتابیات میں مذکور تعداد میں فرق لفظاً اور استعارۃً، زمین آسمان کا ہے۔ یہ نکتہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ اوغلو نے صرف ۱۹۸۰ء تک کے اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ اب تک ان کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوگئی ہوگی۔ تحقیق کے لیے ریاضت لازمی شرط ہے۔

☆ فاضل مرتب کے غیر علمی رویے کی ایک اور مثال یہ ہے کہ تفسیر انوار القرآن کے مفسر انیس احمد کا تعارف ان اہانت آمیز الفاظ میں کیا ہے: ''یہ مولانا محمود حسن دیوبندی کی تحریک کے مخبر کے طور پر جانے جاتے تھے''۔ (ص ۱۷۸) اگر بالفرض یہ امرِ واقعہ بھی ہے تو ان کی تفسیر کے ذیل میں اس کا ذکر غیر ضروری ہے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر 'ترجمان القرآن' کے عنوان کے تحت ایک صفحہ لاطائل مندرجات سے پُر ہے۔ مثلاً مولانا آزاد کے ننھیالی سلسلے کے 'ایک بزرگ' کے کوائف، مولانا کے والد کے نانا شیخ منورالدین کے سوانحی حالات اور مولانا آزاد کی مرزا رسوا سے تحصیل علم موسیقی (ص ۱۹۱۔۱۹۲)۔ البتہ فاضل مرتب نے اس کا کفارہ اس طرح ادا کر دیا کہ ترجمان القرآن کے محاسن اور معائب پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ (۱۹۲۔۱۹۶)

☆ عبدالحکیم خاں (م ۱۹۴۰ء) کی تفسیر القرآن کے ضمن میں یہ نیم سنجیدہ اور غیر علمی جملہ ہے کہ 'زندگی کے کچھ لمحے میں قادیانی تھے، لیکن بعد میں وہ قادیانیت سے تائب ہوگئے۔' (ص ۲۲۱) ان کے رجوع الی الاسلام کی اطلاع یقیناً خوش کن ہے، لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ وہ 'چند لمحے' قادیانیت کے زیرِ اثر نہیں رہے، بلکہ ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن (۱۹۰۵ء) ان کے قادیانی نقطۂ نظر کا ترجمان ہے اور آج بھی قارئین کے ذہنوں کو مسموم کر رہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مضمون:

Abdur Raheem Kidwai, Mohammad Abdul Hakim Khan's The Holy Quran: The first Qadiyani Translation? Insights, Islamabad, Pakistan, 2 (1):2009, pp,57-74

☆ فاضل مرتب خواجہ حسن نظامی کی عام فہم تفسیر کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ یہ ان کے ذوق کا معاملہ ہے، البتہ اس تفسیر کی عجیب و غریب شانِ نزول انھوں

نے یہ بیان کی ہے: 'مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی اس کا محرک بنی'' ۔(ص ۲۷۲) بہ طور مدح وتحسین اس تفسیر کی یہ صفت بیان کی ہے: '' یہ فقہ، قراءت، صرف ونحو وغیرہ کے مباحث سے پاک ہے۔'' (ص ۲۷۲) علوم القرآن سے کسی تفسیر کا پاک صاف رہنا، اگر ذم میں داخل نہیں تو اسے مدح کا محل بھی یقیناً نہیں قرار دیا جاسکتا۔

☆ فاضل مرتب نے احسان اللہ عباسی کے 'ترجمۂ قرآن مجید' کا سنہ اشاعت ایک ثانوی ماخذ کی بنیاد پر ۱۸۵۶ء درج کر دیا ہے (ص ۳۰۷)، جو کہ صریحاً خلافِ واقعہ ہے، کیوں کہ احسان اللہ عباسی کا سنہ پیدائش ۱۸۶۵ء اور ان کے ترجمہ کا سنۂ اشاعت ۱۹۱۴ء ہے۔

☆ ایک نامعلوم مصنف کے 'منظوم ترجمۂ قرآن مجید' کے محاکمے کے بجائے یہ سطحی، غیر ذمہ دارانہ جملہ ملتا ہے: '' ترجمہ کتنا درست ہے، کسی اچھے نثری ترجمے کو دیکھ کر عام قارئین خود فیصلہ فرمالیں۔ عربی داں حضرات سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' (ص ۴۲۱) ایسی بے توجہی سے فاضل مرتب کے علمی وقار پر آنچ آتی ہے۔

☆ آغا قزلباش کے منظوم ترجمۂ قرآن 'افصح الکلام' کے بارے میں محض یہ اطلاع دی گئی ہے: ''اس منظوم ترجمے پر لوگوں نے رطب و یابس تبصرے کیے ہیں۔'' (ص ۴۲۳) فاضل مرتب کا فرض منصبی تھا کہ وہ یہ ذکر کرتے کہ یہ تبصرے کن لوگوں کے ہیں؟ اور کس بنیاد پر انھوں نے ان کو 'رطب و یابس' قرار دیا ہے۔

☆ اکبر کے درباری ابوالفضل کی تفسیر اکبری کے ذیل میں فروعی معلومات کثرت سے پیش کی ہیں کہ وہ کب، کہاں اور کس کے اشارے پر قتل ہوا؟ لیکن اس کی تفسیر کی محتویات پر مطلق نقد ونظر نہیں۔ ابوالفضل کے دینِ الٰہی اور قربِ سلطانی کے تناظر میں فاضل مرتب کا اس تفسیر پر محاکمہ کرنا لازم تھا۔ (ص ۵۱۲)

مبہم انداز بیان

علمی جائزے پر مشتمل تصنیف کی یہ لازمی صفت ہوتی ہے کہ اس کے بیانات واضح اور متعین ہوں۔ اس پہلو سے زیر تبصرہ کتاب خاصی کم زور ہے۔

☆ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی 'تفسیر ثنایی' کے بارے میں فاضل مرتب کے مندرجہ ذیل مشاہدات محل نظر ہیں: ''جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو کچھ علماء نے اس پر سخت اعتراضات کیے۔ اس کے رد میں ایک رسالہ 'اربعین' کے نام سے شائع ہوا، جس میں اس تفسیر میں چالیس جگہوں پر سخت قسم کے اعتراضات تھے... عبدالعزیز بن سعود شاہِ عرب کو اس مسئلے کے حل کے لیے علماء کی ایک مجلس قائم کرنا پڑی۔'' (ص ۲۰۲) یہاں چند سوالات قدرتاً قارئین کے ذہن میں اٹھیں گے: کچھ علماء' سے مراد کون ہیں؟ ان کے اعتراضات کی بنیاد کیا تھی؟ شاہِ عرب کی اس قائم کردہ مجلس کا قولِ فیصل کیا رہا؟ 'اربعین' کا مصنف کون ہے؟ یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ تفسیر ثنائی کی جلد اول ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی تھی، جب کہ شاہ عبدالعزیز بن سعود ۱۹۳۲ء میں بادشاہ ہوئے۔ ان سوالوں سے پہلوتہی فاضل مرتب کی تحقیقی صلاحیت کے بارے میں سوالیہ نشان ہے۔

☆ محمد علی صدیقی کاندھلویؒ کی تفسیر 'معالم القرآن' آٹھ (۸) جلدوں کو محیط ہے۔ فاضل مرتب نے اس ضخیم تفسیری کاوش کے بارے میں ایک ثانوی ماخذ کے حوالے سے صرف ایک سطر نقل کی ہے: ''یہ تفسیر انجمن شہابیہ سیال کوٹ سے ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء کے درمیان شائع ہوچکی ہے۔'' (ص ۲۴۳) یہاں ذکر نہ اس مفسر کے ذہنی اور فکری میلانات کا ہے نہ اس تفسیر کے مالہ وما علیہ کا۔ ایسے سرسری اور بے معنیٰ رائے زنی سے زیر نظر تصنیف کی علمی حیثیت مجروح ہوئی ہے۔

☆ یہی مبہم اور اشاراتی انداز سید رفیع الدین صفوی کی 'تفسیر معینی' کے بارے میں بھی روا رکھا گیا ہے۔ یہاں صرف مصنف کا سنہ وفات ۹۵۴ھ (ص ۲۴۳) درج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۹۵۴ھ، ۱۵۴۶ء کے مطابق ہے۔ اولین دور کے اس مفسر اور تفسیر کے بارے میں مطلق سکوت پُراسرار بھی ہے اور ناقابلِ فہم بھی۔

☆ شیخ منور لاہوری (م ۱۶۰۳ء) کی تفسیر 'الدرّ العظیم' کے شذرے میں فاضل مرتب نے یک لخت یہ تذکرہ چھیڑ دیا ہے: ''متھرا کے برہمن کا واقعہ عہدِ اکبری کا اہم قصہ ہے، جس کی بنا پر علماء میں بحثیں ہوئیں۔'' (ص ۲۶۳) یہ قصہ کیا تھا؟

کون سا موضوع علماء کے زیر بحث تھا؟ اگر اس کا تعلق سبّ وشتم علی النبی ﷺ سے ہے تو اس کی صراحت ضروری تھی۔ ان تشنہ سوالات کے باعث اس تصنیف کی وقعت کو گزند پہنچتی ہے۔

☆ سید محمد حسن امروہویؒ (م ۱۳۲۳ھ) کی 'تفسیر حسینی' کے بارے میں اہم انکشاف یہ ہے: ''اس مفسر کی تمام کوشش اس بات پر تھی کہ قرآن مجید اور بائبل میں تطبیق کی جائے۔'' (ص ۲۷۳) البتہ یہ امر باعثِ تاسف ہے کہ فاضل مرتب کے ہاں اس اجمال کی کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ ابنیتِ عیسیٰؑ، تثلیث، رفعِ عیسیٰؑ اور تحریفِ انجیل جیسے کلیدی عیسائی عقائد کی تطبیق قرآن مجید سے کس طرح کی گئی ہے؟

☆ خواجہ عبد الحئی فاروقیؒ کی تفسیر 'الفرقان' کے بارے میں یہ اچٹتا ہوا سا جملہ ملتا ہے: ''علماء کو ان کی تفسیر سے اختلاف ہے۔'' (ص ۲۷۸) متنازعہ امور کیا ہیں؟ فاروقی کا موقف جمہور سے کس لحاظ سے مختلف ہے؟ کن علماء نے اور کن تصانیف میں اپنے اختلاف کا ذکر کیا ہے؟ حیرت انگیز طور پر فاضل مرتب نے ان بدیہی سوالات کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھا۔

☆ محمد عبد الرؤف سراج الدین کی تفسیر اور اسی طرح احمد سعید دہلوی کی تفسیر 'کشف الرحمن' کا صرف سنہ اشاعت مذکور ہے۔ ان تفاسیر کے بارے میں فاضل مرتب کی یہ عدم توجہ ناقابل توجیہ ہے۔

☆ سید محمد کچھوچھویؒ (م ۱۹۶۱ء) کی 'معارف القرآن' کے بارے میں فاضل مرتب کا یہ جملہ چیستاں سے کم نہیں: ''یہ ترجمہ ان تراجم میں بعض حیثیات سے نہایت ممتاز ہے جو براہِ راست قرآن حکیم سے کیے گئے ہیں۔'' (ص ۲۸۸) کیا براہِ راست قرآن مجید کے بغیر کوئی ترجمہ وجود میں آسکتا ہے؟ اسی طرح اس تفسیر کے بارے میں یہ جملہ کہ امام احمد رضاؒ نے فرمایا: ''شہزادے اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔'' (ص ۲۸۸) قرآن مجید کی جلالتِ شان کے منافی ہے۔

☆ غلام احمد پرویز کی تصنیف 'معارف القرآن' میں معجزات کی قیاسی تاویل کو

فاضل مرتب نے من وعن نقل کر دیا ہے اور پرویز کے مغالطہ کن بلکہ گم راہ کن فرمودات پر کوئی نکیر نہیں کی ہے۔ (ص ۲۸۹) اس اہم معاملے میں ان کی یہ پہلو تہی قارئین پر ظلم ہے۔

☆ محمد ادریس کاندھلویؒ کی اہم تفسیر 'معارف القرآن' کے صرف سنہ اشاعت درج کرنے پر فاضل مرتب نے قناعت کی ہے۔ (ص ۲۸۹) اس تفسیر کی کیا خوبیاں اور خامیاں ہیں؟ اس کا منہج کیا ہے؟ معاصر تفاسیر میں اس کا کیا مقام ہے؟ ان کلیدی امور سے احتراز فاضل مرتب کے علم وفضل سے مناسبت نہیں رکھتا۔

☆ حمید الدین فراہیؒ کی نظام القرآن کے بارے میں صرف یہ جملہ مذکور ہے: ''اس تفسیر میں عربی اسالیبِ ادب کے پسندیدہ ترین نمونے ہیں۔'' (ص ۲۹۹) مولانا فراہیؒ کی تفسیر کا مابہ الامتیاز پہلو ان کا نظم قرآن مجید کا تصور ہے۔ فاضل مرتب کی طرف سے اس کا تذکرہ نہ کرنا اور اس سے چشم پوشی کرنا حیرت انگیز ہے۔

☆ ابوالقاسم محمد عتیق فرنگی محلی کی تفسیر 'البصائر العظمیٰ' کے صرف اشاعتی کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ (ص ۳۰۶) اس کے محتویات اور ان کے حسن و قبح سے فاضل مرتب کا اغماض ناقابلِ دفاع ہے۔

☆ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری کی تفسیر کا صرف عنوان مذکور ہے، جب کہ پورا شذرہ ان کے سوانحی کوائف سے مملو ہے۔ اس تفسیر پر کسی محاکمے کی غیر موجودگی ادارتی عدم تناسب کی ایک افسوس ناک مثال ہے۔ (ص ۳۸۰)

☆ شاہ حقانی مرہروی کے ترجمۂ قرآن مجید کے ذیل میں ان کے حالاتِ زندگی عقیدت واحترام کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ (ص ۳۷۲) اور یہ مفید اطلاع بھی کہ اس ترجمۂ قرآن مجید پر پروفیسر سید محمد امین، سجادہ نشین، خانقاہ مارہرہ کی مبسوط تجزیاتی تصنیف دست یاب ہے۔ البتہ فاضل مرتب نے از خود یا پروفیسر امین کے تجزیہ کے حوالے سے اس ترجمہ پر کوئی نقد ونظر نہیں کیا ہے، جس کے باعث یہ اندراج سطحی اور غیر متوازن ہو گیا ہے۔

☆ یہی کجی سید فدا علی وامق کے ترجمۂ قرآن مجید کے اندراج میں بھی ہے کہ موصوف کے سوانحی کوائف بالتفصیل پیش کیے گئے ہیں۔ سید وامق کی علوم القرآن سے

وابستگی کی نوعیت فاضل مرتب کے الفاظ میں اس حد تک ہے: ''قرآنیات کے زبردست عالم تھے۔ ان کا انکشاف راقم السطور کو آستانۂ وامقیہ میں ایک ناقص الطرفین ترجمۂ قرآن کریم کی زیارت سے ہوا۔'' (ص ۲۷۸)

کسی شخص کی غیر مطبوعہ اور نامکمل تصنیف کی محض 'زیارت' کی بنا پر اسے 'قرآنیات کا زبردست عالم' قرار دینا خوش عقیدگی کا شاخسانہ کہا جا سکتا ہے۔

☆ شیخ حمید اللہ شریف کے ترجمۂ قرآن مجید کے بارے میں یہ قیاس مذکور ہے: ''ان کی (کذا) کچھ سورتوں کا ترجمہ پہلی بار ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ ممکن ہے، اب قرآن کا مکمل ترجمہ شائع ہو گیا ہو۔'' (ص ۵۵۲)۔ فاضل مرتب وادئ تحقیق میں نووارد نہیں کہ محض مبنی بہ احتمال یہ بیان دے دیا۔ اس کی اشاعت کے باب میں متعین تحقیق لازم تھی۔

مبالغہ آرائی

اردو تحریروں میں مبالغہ آرائی کا مرض عام ہے، البتہ ایک علمی و تحقیقی تصنیف میں یہ آرائشِ بیان مستحسن نہیں۔ وفورِ جذبات سے مغلوب فاضل مرتب نے جا بجا اپنے بعض ممدوحین کے لیے تفضیل کے صیغے بے محابا لٹائے ہیں۔ مثلاً خواجہ حسن نظامی کو ''اردو زبان کے سب سے بڑے ماہر اور مفسر اور مترجم قرآن مجید۔'' (ص ۱۷۳) سے ملقّب کیا ہے۔ خواجہ نظامی کا شمار اردو کے اچھے انشا پردازوں میں ہوتا ہے، لیکن ان کو 'اردو کے سب سے بڑے ماہر اور مفسر' کے منصب پر فائز کرنا صریحاً مبالغہ آرائی ہے۔

☆ علی اصغر (م ۱۱۴۰ء) کی نوّے (۹۰) صفحات کی نامکمل تفسیر 'ثواقب التنزیل' کے بارے میں یہ انکشاف ملتا ہے: ''جلالین سے زیادہ بلاغت اس میں ہے۔ یہ جلالین سے بلیغ اور متین ہے۔'' (ص ۲۵۶) فاضل مرتب اگر جلالین اور ثواقب سے کوئی مثال بطور موازنہ فراہم کر دیتے تو ان کی اس رائے کے مبالغہ آمیز ہونے کی بدگمانی نہ ہوتی۔

☆ فیضی کی 'سواطع الالہام' غیر منقوط تفسیر کے طور پر ایک فنّی اور لسانی عجوبہ ہے۔ فاضل مرتب نے بلا دلیل اس کو یہ مقامِ بلند عطا کر دیا: ''سواطع الالہام ایک ایسا علمی شاہ کار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گویا الہام کے ذریعہ مکمل کرایا ہے۔'' (ص ۲۶۸)

کسی انسان کی تصنیف میں اللہ کو اس حد تک دخیل کرنا مناسب نہیں۔ فاضل مرتب کے مبالغہ آمیز اور مبہم بیان سے یہ قطعاً واضح نہیں ہوتا کہ یہ تفسیر کس اعتبار سے فہم قرآن یا علوم القرآن میں گراں قدر اضافہ کا درجہ رکھتی ہے؟

☆ ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمۂ قرآن مجید پر محاکمہ جامع بھی ہے اور بصیرت افروز بھی، البتہ ان کے تصنیف کردہ ناولوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) بیان کی ہے۔ (ص ۳۸۳) جو خلافِ واقعہ ہے۔

☆ عبد الحق عباس کے 'ترجمان القرآن' کا امتیاز فاضل مرتب کی نظر میں یہ ہے: ''اس کے مطالعے سے ایک بچہ بھی قرآن حکیم کے مطالب عربی زبان میں سمجھ لینے کے قابل ہوجاتا ہے۔'' (ص ۳۸۹) اس شاعرانہ اور بے ربط عبارت کا تعلق حقیقت سے کم اور مبالغے سے زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ مطالبِ قرآن تک رسائی اچھے ترجمے کے ذریعے عین ممکن ہے، لیکن کسی ترجمے کے مطالعے سے عربی زبان پر قدرت حاصل کر لینا اور وہ بھی بچپن میں، خرقِ عادت ہی کہا جاسکتا ہے۔

مسلکی جانب داری

کسی مسلک سے وابستگی فطری ہے اور فی نفسہ معیوب بھی نہیں، البتہ علمی و تحقیقی تصنیف پر مسلکی جانب داری کا سایہ نہیں پڑنا چاہیے کہ علم و تحقیق کی روایت بنیادی طور پر معروضی اور منصفانہ ہوتی ہے۔

☆ مولانا حشمت اللہ علیؒ کے ضمن میں فاضل مرتب کی مسلکی عقیدت اس جملے سے ہویدا ہے: ''وہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضاؒ کے دستِ حق پر بیعت ہوگئے۔'' (ص ۱۷۶)

☆ مسلکی ترجیحات سے مغلوب ہونے کی ایک اور مثال فاضل مرتب کے اس اعتراض سے آشکار ہے: ''مولوی عبد الماجد دریابادیؒ کے ترجمے میں بھی نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کا التزام کم ہے۔'' (ص ۲۳۳) اس کی سند میں تفسیر ماجدی سے فاضل مرتب نے جو اقتباس نقل کیا ہے وہ متن قرآن مجید کا **بجنسہ** بلکہ ہو بہو ترجمہ ہے۔ اس صورت میں سوءِ ظن کی گنجائش نہیں۔ ایک عرصے سے دیکھا جارہا ہے کہ فاضل مرتب کے

ہم نوا اہلِ قلم ترجمۂ قرآن مجید میں حبّ رسول ﷺ کی آڑ میں اپنے تراجم میں بلا تکلف ایسی عبارتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں جن کا قرآن مجید کے متن میں کوئی وجود نہیں ہوتا، لیکن اسی موہوم بنیاد پر وہ دیوبندی فکر کے حاملین مترجمینِ قرآن مجید کو سوئِ ادب کا ملزم گردانتے ہیں۔

☆ اس تصنیف میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن تنقید ہی نہیں، بلکہ تنقیص کا نشانہ بنی ہے: ''مودودی صاحب کی سب سے بڑی انفرادیت یہ ہے کہ قرآن وسنت کو صرف اور صرف اپنی جدّت پسندی، طباعت (کذا) اور اختراعیت کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں.....ان کے نزدیک کوئی شخص بھی کامل نہیں گزرا اور ہر کسی میں کوئی نہ کوئی عیب تھا، یہاں تک کہ صحابۂ کرام میں۔'' (ص ۲۵۰) اس الزام کی سند فاضل مرتب نے تفہیم القرآن سے پیش کرنے کے بجائے سید مودودی کی دیگر تصانیف سے اقتباسات سیاق وسباق کو نظر انداز کرتے ہوئے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اس قولِ فیصل کا بھی اعلان کیا ہے: ''یہ تفسیر عالمانہ نہیں ہے۔'' (ص ۲۵۱) اس مبتدا کی خبر یہ ہے: ''کہیں کہیں ایسی بات بھی کہہ گزرتے ہیں جو تحقیقی معیار پر پوری نہیں اترتی۔'' (ص ۲۶۲) حسبِ معمول یہ دعویٰ بھی بلا دلیل وثبوت ہے۔ اسی باعث زیر نظر کتاب پر مناظرانہ بلکہ مجادلانہ رنگ گہرا ہو گیا ہے۔

☆ مولانا سید علی نقوی (م ۱۹۸۸ء) کے ترجمۂ قرآن مجید کا تعارف 'مسلک شیعیت کے ترجمان' کے طور پر کرایا گیا ہے۔ (ص ۴۹۴) یہ فروگزاشت البتہ سنگین اور افسوس ناک ہے کہ مولانا نقی کی تصنیف کے اس قابلِ قدر اور مابہ الامتیاز پہلو کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ تفسیر بین المسلکی اتحاد اور اتفاق کی علم بردار ہے۔

غیر مستند مندرجات

پروفیسر انجم کی تحقیق کا پایۂ استناد کم زور بلکہ مجروح ہے۔ یہاں صرف ایک باب 'قرآن کریم کے انگریزی تراجم' (ص ۵۷۵۔ ۵۷۸) میں مذکور ان کے بیانات کے اسقام پیش ہیں:

☆ ''انگریزی زبان کا پہلا ترجمہ ۱۶۴۸ء میں شائع ہوا۔'' (ص ۵۷۵)

پہلا ترجمہ ۱۶۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔

☆ ''مرزا حیرت دہلوی نے یہ ترجمہ مستشرقین کی مدد سے کیا۔'' (ص ۵۷۵)

یہ اطلاع عبرت ناک حد تک گم راہ کن ہے۔ مرزا دہلوی کے ترجمۂ قرآن مجید کا مقصود ہی مستشرقین کے اسلام اور قرآن مجید کے خلاف اتہامات کی تردید ہے اور یہ مقصد جلی حروف میں ان کے ترجمے کے سرورق پر درج ہے۔ انھوں نے اس ترجمے میں اپنے ہم مذہب علوم مشرقی کے فضلاء کی اعانتِ علمی کا ذکر خیر کیا ہے، جو فاضل مرتب کی لاپروائی کے باعث 'مستشرقین' کی اصطلاح میں تبدیل بلکہ مسخ ہو گیا ہے، کیوں کہ مستشرقین کی اصطلاح ایسے مغربی/غیر مسلم فرنگی علماء کے لیے استعمال ہوتی ہے جو مشرق کے علوم وفنون اور تاریخ وغیرہ کے ماہ ہوتے ہیں۔

☆ ''غلام سرور کا ترجمہ آکسفورڈ سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔'' (ص ۵۷۵)

درحقیقت یہ ترجمہ سنگا پور سے ۱۹۲۰ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ یہاں زمان و مکان دونوں میں غلطیاں درآئی ہیں۔

☆ ''عبد اللہ یوسف کا یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔'' (ص ۵۷۵) امر واقعہ یہ ہے کہ عبد اللہ یوسف علی کا ترجمہ وتفسیر قرآن مجید تین (۳) جلدوں پر محیط ہے۔ اس کی جلد اول ۱۹۳۴ء میں اور تیسری اور آخری جلد ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی۔ لہٰذا اس کا سنہ اشاعت ۱۹۳۵ء کسی لحاظ سے درست نہیں۔

☆ ''س، م، الف جعفری کا یہ ترجمہ شملہ سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔'' (ص ۵۱۵)

یہاں یہ صراحت لازم تھی کہ یہ ایک نامکمل، جزوی ترجمہ ہے، جو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا۔

☆ ''عبد الماجد دریابادی کا ترجمہ ۱۹۴۱ء میں لاہور سے طبع ہوا۔'' (ص ۵۷۵)

یہ اطلاع جزوی طور پر صحیح ہے۔ پارۂ اول کا ترجمہ بلا شبہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا، لیکن ان کا مکمل انگریزی ترجمۂ قرآن مع تفسیر ۱۹۵۷ء میں منظر عام پر آیا۔

☆ ''میر احمد علی کے اس ترجمے کی تکمیل ۱۹۶۴ء میں ہوئی۔'' (ص ۵۷۶)

فاضل مرتب یہاں یہ اہم اطلاع دینے سے قاصر رہے ہیں کہ یہ ترجمہ شیعہ

مسلک کا ترجمان ہے۔ اس ترجمانی کا اعلان اس کے سرورق پر ہی موجود ہے۔

☆ ''محمد اکبر کا یہ ترجمہ مع تفسیر آٹھ (۸) جلدوں پر مشتمل ہے۔'' (ص ۵۷۶)

اصلاً یہ سید مودودی کی اردو تفسیر تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ ہے۔ محمد اکبر مترجم ہیں، نہ کہ مصنف یا مفسر۔

☆ ''محمد علی کا یہ ترجمہ لاہور سے پہلی بار ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔'' (ص ۵۷۶) یہاں بھی زمان و مکان میں اغلاط ہیں۔ پہلی مرتبہ یہ ترجمہ ۱۹۱۷ء میں ووکنگ، انگلستان (Woking, England) سے شائع ہوا۔ اس سے بھی اہم تر نکتہ یہ ہے کہ یہ ترجمۂ قرآن قادیانیت کا مبلغ ہے۔ فاضل مرتب کی لاعلمی سنگین ہے۔

☆ ''ترجمۂ قرآن فریدہ خانم۔'' (ص ۵۷۷) فریدہ خانم مولانا وحید الدین خان کی صاحب زادی اور ان کی اردو تفسیر کی انگریزی مترجمہ ہیں۔ لہٰذا اس ترجمے کو فریدہ خانم سے منسوب کرنا واقعاتی طور پر صحیح نہیں ہے۔

☆ ''جارج سیل کے ترجمۂ قرآن کی اشاعت ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔'' (ص ۵۷۷) صحیح سنہ اشاعت ۱۹۳۴ء ہے۔ یہ تقلیب غالباً سہو کاتب ہے۔

☆ ''سکندر روس کا یہ ترجمہ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔'' (ص ۵۷۷)

یہاں Alexander Ross کے ہجّے غالباً معرّب شکل میں درج ہیں اور اسے ایک علیٰحدہ مترجم تصور کرلیا گیا ہے۔

☆ غیر مستند بلکہ خانہ زاد اغلاط سے پُر اندراج راقم الحروف کے انگریزی ترجمۂ قرآن مجید کے بارے میں ہے۔ اس کے ضمن میں فاضل مرتب کی تحقیق انیق یہ ہے:

'یہ ترجمۂ قرآن پروفیسر عبد الرحیم قدوائی نے کیا ہے، جو مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ میں ایک عرصہ تک شعبۂ انگریزی میں استاد تھے..... اس ترجمۂ قرآن کو پروفیسر اختر الواسع نے مرتب کیا ہے اور البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی نے ۲۰۱۵ء میں شائع کیا ہے۔'' (ص ۵۷۸-۵۷۹)

فاضل مرتب نے مسلم یونی ورسٹی سے میری وابستگی کا ذکر صیغۂ ماضی میں اپنی ۲۰۱۷ء کی تصنیف میں کیا ہے، جب کہ بفضلہ تعالیٰ ۲۰۲۰ء میں مسلم یونی ورسٹی سے میرا تعلق ہنوز جاری ہے۔ اصل ستم ظریفی یہ ہے کہ میری اردو تصنیف 'قرآن کریم اور

مستشرقین' مرتبہ پروفیسر اختر الواسع کو بکمال تحقیق میرا انگریزی ترجمۂ قرآن تصور کر لیا ہے۔ یہ ترجمہ What is in the Quran کے عنوان سے ویوا بکس، نئی دہلی نے ۲۰۱۳ء میں شائع کیا ہے۔ یہ ترجمۂ قرآن اصلاً غیر مسلم قارئین کے لیے انتہائی آسان اور سادہ انگریزی میں ہے۔ فاضل مرتب ان اہم امور سے غافل ہیں۔ یہاں زیر گفتگو کوئی مسطور مخطوطہ یا صدیوں قبل کوئی تصنیف نہیں ہے۔ انٹرنیٹ یا براہِ راست رابطے کی مدد سے یہ بنیادی معلومات آسانی سے حاصل ہوسکتی تھیں۔

فاضل مرتب نے متعدد یورپی زبانوں میں تراجم قرآن مجید کی فہرست فراہم کرنے کی سعی کی ہے۔ (ص ۵۷۹۔ ۵۹۲) نیت کا اجر مسلّم، لیکن یہ سعی رائیگاں ہے کہ اندراجات کی تعداد کی اصل اعداد وشمار سے کوئی نسبت نہیں۔ ان تراجم کی نہایت قلیل تعداد کا احاطہ کیا گیا ہے۔ طرہ یہ کہ مترجمین کے اسماء اور طباعتی کوائف غیر مستند ہیں۔

ترجمۂ قرآن مجید کے موضوع پر یہ تصنیف بہر کیف محض مجموعۂ اغلاط نہیں، بعض مقامات پر فاضل مرتب کا تبحر علمی جلوہ گر ہے۔ مثال کے طور پر مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن (ص ۱۹۳۔۱۹۶) کی مانند سرسید کی تفسیر کے باب میں بھی ان کا محاکمہ متوازن اور بصیرت افروز ہے (ص ۳۷۵) کہ آزاد اور سرسید کے امتیازات کے ذکرِ خیر کے پہلو بہ پہلو ان کے تسامحات کی انتہائی بالغ نظری کے ساتھ نشان دہی ملتی ہے۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری کا تجزیہ فاضل مرتب کے علم و فضل اور حسن ادا کا آئینہ دار ہے۔ (ص ۲۴۲) علمِ تفسیر پر فاضل مرتب کی دست رس اس سے بھی ہویدا ہے کہ انھوں نے ان متاخر تفاسیر کا تعین کیا ہے جن پر تفسیر مظہری کا اثر نمایاں ہے۔ (ص ۲۴۰۔ ۲۴۳) محمد تقی عثمانی کی تفسیر توضیح القرآن پر بھی ان کا محاکمہ جچا تُلا اور پُر از معلومات ہے۔ اگر شذرات کا یہی معیار پوری تصنیف میں قائم رہتا اور تحقیق کے اصولوں اور ضوابط کی پاس داری ہوتی تو اس تصنیف کے معیاری ہونے میں کلام نہ ہوتا۔ فی الحال اس میں رفو کا کام بہت ہے۔ توقع ہے کہ پروفیسر انجم اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب پر نظر ثانی کریں گے، تاکہ اس موضوع کا حق ادا ہو اور قارئین کی کما حقہ رہ نمائی ہو۔

استخراجِ احکام میں

امام ابوداوٗدؒ اور امام ترمذیؒ کے اسالیب کا موازنہ

محترمہ صائمہ ملک

طبائع کا اختلاف فطرتاً تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف ہر شعبہ میں کارفرما ہے، خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی۔ ہر انسان اپنے شعوری استعداد اور علمی سطح کے مطابق اپنی فکر کا استعمال کرتا ہے۔ علمِ حدیث میں بھی تمام مؤلفینِ کتب نے اپنے اپنے مخصوص اغراض و مقاصد اور طرزِ فکر کے تحت تالیفات کو مرتّب و مدّون کیا۔ اس بنا پر ہر تالیف کا رنگ دوسری سے مختلف اور منفرد نظر آتا ہے۔ امام ابوداوٗدؒ (م ۲۰۴ھ) اور امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) کا اندازِ تالیف بھی ایک دوسرے سے جدا ہے۔ امام ترمذیؒ کی کتاب صحیح بخاری کی طرح جامع ہے اور اس میں دین کے سب ہی موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں، جب کہ سنن ابو داوٗد صرف احکام کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کی صحت و ضعف کے متعلق امام ترمذیؒ کی مخصوص اصطلاحات ہیں، جنھیں کسی دوسرے مصنف نے استعمال نہیں کیا ہے۔ ویسے ان اصطلاحات پر بہت زیادہ اعتماد بھی مشکل ہے۔ کتبِ حدیث میں سنن ابو داوٗد اور سنن ترمذی کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے مؤلفین کو محدثین کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ماہرینِ حدیث ہونے کے ساتھ بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ انھوں نے نہایت لطافت و نفاست اور خوب صورتی کے ساتھ اپنی حدیثی تالیفات کو فقہی رنگ میں پیش کیا اور محض احادیثِ احکام کو جمع کرنے پر اکتفا کرنے کے بجائے اُن میں مخفی خزائن و معارف کو کھولنے کی کوشش کی ہے۔

اس مقالہ میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ ان ایمۂ حدیث نے احکامِ فقہ کا استنباط کرنے کے لیے کن مناہج و اسالیب کو اختیار کیا ہے؟ اس سلسلے میں مذکورہ کتب میں احکام الطہارۃ سے احکام الجنائز تک کے ابواب کا مطالعہ کیا جائے گا:

۱۔تراجمِ ابواب کا موازنہ

ان فقہاء نے احادیث پر جو عناوین قائم کیے ہیں انہیں ترجمۃ الباب/تراجم الابواب کہا جاتا ہے۔ ذیل میں کتاب الطہارۃ سے کتاب الجنائز تک کے تراجم پر ایک نظر ڈالی جارہی ہے:

احکامِ طہارت سے متعلق امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں ایک سو گیارہ (۱۱۱)، جب کہ امام ابوداوٗدؒ نے اپنی سنن میں ایک سو چوالیس (۱۴۴) عنوانات قائم کیے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور، فضل الطہور اور مفتاح الصلوۃ الطہور کے تمہیدی عنوانات کے بعد قضائے حاجت کے آداب، مسواک کرنے کے آداب، وضو، آدابِ غسل اور تیمم سے متعلق عنوانات قائم کیے ہیں، جب کہ امام ابوداوٗدؒ نے بلا تمہید آدابِ قضائے حاجت سے آغاز کرتے ہوئے اسی ترتیب سے عنوانات قائم کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے فطرتِ انسانی کے پیش نظر یک لخت احکامِ طہارت بیان کرنے کے بجائے حکیمانہ طور پر مذکورہ بالا تین ابواب کے ذریعے لوگوں کو طہارت کی ضرورت وفضیلت سے آگاہ کیا، تاکہ اس باب کے احکام کو بہ اعتبار علم وعمل سمجھا جاسکے۔

احکام الصلوٰۃ سے متعلق امام ترمذیؒ نے تین سو تیرہ (۳۱۳)، جب کہ امام ابوداوٗدؒ نے تین سو اٹھتر (۳۷۸) عنوانات قائم کیے ہیں۔ سننِ ترمذی میں اوقاتِ نماز، اذان، جماعت وامامت، ترکیبِ نماز، قراءتِ نماز، آداب وفضیلتِ مسجد، اہتمام وتعیینِ قبلہ، آدابِ نماز، سنتِ نماز، نفل، تہجد سے متعلق عنوانات مذکور ہیں۔ پھر ابواب الوتر اور اس کے ذیل میں چاشت، صلوٰۃ الحاجۃ، استخارہ، صلوٰۃ التسبیح سے متعلق تراجم، ابواب الجمعۃ، ابواب العیدین، ابواب السفر اور اس کے تحت صلوٰۃ الاستسقاء، صلوٰۃ الکسوف، صلوٰۃ الخوف، سجود قرآن سے متعلق کچھ متفرق تراجم ابواب پائے جاتے ہیں، جب کہ سنن ابو داوٗد کو دیکھا جائے تو اس میں اوقاتِ نماز، آدابِ مسجد، اذان، جماعت، امامت، آدابِ نماز، قراءت، ترکیبِ نماز، جمعہ، عیدین، استسقاء، کسوف وخسوف، صلوٰۃ

السفر اور اس کے ذیل میں صلوٰۃ الخوف، سنت نماز، چاشت، صلوٰۃ التسبیح، تہجد، تراویح، قراءتِ تراویح، سجود قرآن، وتر، نفل و شب بیداری کی فضیلت، سورِ قرآن کے فضائل، دعا و استغفار اور پھر نمازِ استخارہ سے متعلق عنوانات سامنے آتے ہیں۔

احکامِ صلوٰۃ کے تعلق سے سنن ابی داؤد میں وسعت ہے اور اس میں سنن ترمذی کے برعکس آدابِ اذان سے قبل آدابِ مسجد سے متعلق تراجم کا بیان زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اذان کا عمل دخولِ مسجد کے بعد ہے۔

احکام زکوٰۃ کے حوالے سے تراجم کی تعداد امام ترمذیؒ کے یہاں اڑتیس (۳۸) جب کہ امام ابوداؤدؒ کے یہاں انچاس (۴۹) ہے۔ امام ترمذیؒ نے فقہی حکمت کے پیش نظر **باب ماجاء عن رسول الله ﷺ في منع الزكوٰة من التشديد** (یعنی زکوٰۃ نہ دینے پر رسول اللہ ﷺ کی سخت تنبیہات کا بیان) کے تمہیدی باب سے آغاز کر کے انسانی ذہن میں ادائیگیٔ زکوٰۃ کا شعور راسخ کیا ہے۔ اس کے بعد سونے چاندی، جانوروں، پھل، شہد کے نصابِ زکوٰۃ، مدتِ وجوب زکوٰۃ، زیورات کی زکوٰۃ، ان سبزیوں کی زکوٰۃ جنھیں دریا کے پانی سے اگایا جاتا ہے، مال یتیم کی زکوٰۃ، دیانت و امانتِ عاملین زکوٰۃ، صدقہ کرنے والے کی مرضی، زکوٰۃ مال داروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے، زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کے حوالے سے تعیینِ مصارف، زکوٰۃ کے علاوہ بھی خرچ کرنا چاہیے، فضائل و آدابِ صدقہ، مانگنے والے کا حق، میت کی طرف سے صدقہ، عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے صدقہ کرنا، صدقۂ فطر اور تعجیلِ زکوٰۃ جیسے عنوانات قائم کر کے آخری باب 'ہاتھ پھیلانے کی ممانعت' سے متعلق لائے ہیں۔ اس طرح انہوں نے یہ وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام نے اگر زکوٰۃ و صدقات ادا کرنے کے احکام وضع کیے ہیں تو دوسری طرف مستحقین زکوٰۃ و صدقات کو بھی حتی المقدور کسبِ معیشت پر آمادہ کیا ہے اور محض مجبوری یا ناگریز حالات میں اموالِ زکوٰۃ و صدقات سے انتفاع کی رخصت دی ہے، جب کہ امام ابو داؤدؒ نے نصابِ زکوٰۃ کے بیان سے آغاز کر کے کنز، زیور، جانوروں کی زکوٰۃ، صدقہ دینے والے کی مرضی، صدقۃ الرقیق والزرع

والعسل والعنب والخرص والتمر کے بعد زکوٰۃ الفطر، تعجیل زکوٰۃ، زکوٰۃ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، صدقہ کس کو دیا جائے؟ مانگنے کا جواز اور کراہت، مال کا حق، اللہ کے نام پر مانگنے کی کراہت، کل مال صدقہ دینے کی کراہت و رخصت، پانی پلانے کی فضیلت، عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے خرچ کرنا، صلہ رحمی، حرص و بخل کی مذمت اور لقطہ کے احکام جیسے ابواب قائم کیے ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ میں سنن ابی داؤد کی نسبت سنن ترمذی کے عنوانات کی ترتیب میں ایک جامعیت اور ربط معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں پہلے احکامِ زکوٰۃ درج کیے گئے ہیں، اس کے بعد ماسوائے زکوٰۃ، یعنی صدقات کے ذیل میں آنے والے عنوانات کو بیان کیا گیا ہے، آخر میں مانگنے کی ممانعت کا عنوان آیا ہے، جب کہ سنن ابی داؤد میں زکوٰۃ و صدقات کے تراجم کی ترتیب تو واضح ہے، لیکن دست سوال دراز کرنے کے عنوانات یکجا نہیں ہیں۔

کتاب الصوم میں سنن ترمذی کے عنوانات کی تعداد بیاسی (۸۲)، جب کہ سنن ابی داؤد میں اسّی (۸۰) ہے۔ اس میں امام ترمذیؒ نے فضیلتِ رمضان کا تمہیدی باب ذکر کر کے اہل ایمان کو عمل پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر نیتِ استقبال رمضان، صوم یوم الشک، رؤیت وشہادتِ ہلال، افطار و سحر، سفر میں روزہ، حالتِ جنگ، اسی طرح حمل و رضاعت میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت، میت کی طرف سے روزہ، کیفیاتِ نقض و عدم نقض صوم، نیتِ صوم، نفل روزہ اور اس کی قضا کا وجوب، شعبان کے روزوں کو رمضان سے ملانا، نفلی روزے، صیام الدھر کی ممانعت، اعتکاف اور رمضان میں قیام اللیل سے متعلق تراجم پائے جاتے ہیں۔ امام ابوداؤدؒ نے فرضیتِ رمضان سے احکامِ صیام کی ابتدا کرتے ہوئے رؤیتِ ہلال، نیتِ استقبالِ رمضان، صوم یوم الشک، شعبان کے روزوں کو رمضان سے ملانا، چاند کی گواہی، سحر و افطار، کیفیاتِ نقض و عدم نقضِ صوم، قضائے رمضان، میت کی طرف سے روزہ، سفر میں روزہ، نفلی روزے، نہی صیام الدھر، نیتِ روزہ اور اعتکاف سے متعلق عنوانات قائم کیے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے امام ابو داوٗدؒ کے برعکس نیتِ استقبالِ رمضان کا ذکر رؤیت ہلال سے پہلے کیا ہے، جو زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ نیتِ استقبال کا فطری وقت چاند دیکھنے سے قبل ہی ہے۔ امام ترمذیؒ افطار و سحر کی ترتیب سے تراجم قائم کرتے ہیں، جب کہ امام ابو داوٗدؒ سحر و افطار کی ترتیب سے، جو کہ ایک منطقی ترتیب ہے۔ سنن ترمذی میں حالتِ جنگ، حمل اور رضاعت میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت اور رمضان میں قیام اللیل کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں، جب کہ سنن ابی داوٗد میں یہ عنوانات مذکور نہیں ہیں۔

کتاب الحج میں عنوانات کی تعداد امام ترمذی کے ہاں ایک سو تیرہ (۱۱۳)، جب کہ امام ابوداوٗدؒ کے ہاں چھیانوے (۹۶) ہے۔ اس میں امام ترمذیؒ نے پہلے حرمت مکہ، حج و عمرہ کا ثواب، ترکِ حج پر وعید جیسے تمہیدی ابواب قائم کر کے اس عظیم رکنِ اسلام کی اہمیت اُجاگر کی ہے، پھر فرضیتِ حج، نبی ﷺ کی کیفیتِ حج، اقسامِ حج، بیانِ مواقیت، احرام، محرم کے لیے جائز و ناجائز امور، آداب و مناسکِ حج، میت کی طرف سے حج اور عمرہ سے متعلق احکام بیان کیے ہیں۔ امام ابوداوٗدؒ نے فرضیتِ حج سے کتاب کا آغاز کرتے ہوئے بغیر محرم کے عورت کے سفرِ حج کی ممانعت، حج میں تجارت، حائضہ کا احرام، ہدی، اقسامِ حج، نیابتِ حج، حج اور عمرہ کرنے والے کا تلبیہ روکنا، محرم کے کپڑے، محرم کے لیے جائز و ناجائز امور، آداب و مناسکِ حج، نبی ﷺ کی کیفیتِ حج، عمرہ سے متعلق احکام کا ذکر کرتے ہوئے زیارۃ القبور پر اختتام کیا ہے۔

اس کتاب میں بھی امام ترمذیؒ کے قائم کردہ تراجمِ ابواب کی ترتیب میں مناسب نظم و ربط معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ وہ فرضیتِ حج کے بعد بطور نمونۂ کامل نبی ﷺ کی کیفیتِ حج کو بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کتنے حج اور عمرے کیے؟ احرام کہاں سے باندھا؟ جب کہ امام ابوداوٗدؒ نے اس کو آدابِ مناسک حج کے تحت بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس سے پہلے ہدی اور انقطاعِ تلبیہ کے احکام بیان کیے ہیں، جب کہ امام ترمذی نے ان کا ذکر آدابِ مناسک کے ضمن میں کیا ہے۔ امام ابوداوٗدؒ نے عورت کا حج اور حج میں تجارت جیسے تراجمِ ابواب قائم کیے ہیں، جن کے بیان سے سننِ

ترمذی خاموش ہے۔ ابتدائی کتاب میں امام ترمذیؒ نے تمہیدی ابواب قائم کیے ہیں، جب کہ سنن ابی داؤد میں وہ ابواب نہیں ہیں۔

احکام الجنائز کے تحت سنن ترمذیؒ میں چھہتر (۷۶)، جب کہ سنن ابی داؤد میں چوراسی (۸۴) ابواب ہیں۔ امام ترمذیؒ نے باب 'مریض کو ملنے والا اجر' سے ابتدا کرتے ہوئے عیادتِ مریض، موت کی تمنا کرنے کی ممانعت، وصیت، وقتِ نزع، تکلیف پر صبر، غسل وتکفینِ میت، نبی ﷺ کے کفن کے کپڑے، اہلِ میت کے لیے کھانا، میت پر آہ وبکا، نمازِ جنازہ کے آداب واحکام، تدفینِ میت، احکامِ قبور، میت کا ذکرِ خیر، جنازہ کو جلدی تیار کرنا، تعزیت کی فضیلت، میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی جیسے عنوانات قائم کیے ہیں، جب کہ امام ابوداؤدؒ نے 'امراض سے گناہ دور ہوتے ہیں' سے آغاز کیا ہے، پھر عیادتِ مریض، موت کی تمنا کی ممانعت، وقتِ نزع، تکلیف پر صبر، میت پر آہ وبکا، اہلِ میت کے لیے کھانا، غسل وتکفینِ میت، جنازہ کے آداب و احکام، تدفینِ میت، احکامِ قبور، میت کا ذکرِ خیر اور احرام کی حالت میں موت جیسے عنوانات قائم کیے ہیں۔

جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد میں عیادتِ مریض سے متعلق ابواب مفصّل ہیں، جن میں عورتوں کی عیادت، ذمی کی عیادت، عیادت کے لیے وضو، بار بار عیادت، آنکھ اور طاعون کی بیماری میں عیادت، مریض کے لیے دعا جیسے ذیلی عنوانات موجود ہیں، جب کہ سنن ترمذی میں عیادت کا محض ایک باب ہے۔ سنن ترمذی میں میت کی طرف سے وصیت، نبی ﷺ کے کفن کے کپڑے اور میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی جیسے عنوانات ہیں، جب کہ سنن ابی داؤد اِن ابواب سے خالی ہے۔

۲۔ فقہی فہم وتدبر اور مہارتِ استنباط

کسی فقیہ کا تفقّہ اس کے تراجمِ ابواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر مقامات پر احادیثِ احکام سے استنباطِ مسائل کے معاملے میں دونوں فقہاء کے فہم وتدبر میں مماثلت نظر آتی ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا استیقظ أحد کم من اللیل فلا یدخل یدہ في الاناء حتی یفرغ علیھامرّتین أو ثلاثاً فانّہ لایدری أین باتت یدہ ۱؎

''جب تم میں سے کوئی رات میں جاگے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے دو یا تین بار دھو نہ لے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں کہاں رہا؟''

اس روایت کی تخریج دونوں کتب میں کی گئی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے: **باب ما جاء اذا استیقظ أحد کم من منامہ فلا یغمس یدہ في الاناء حتّی یغسلھا** (اس چیز کا بیان کہ جب آدمی اپنی نیند سے جاگے تو اپنا ہاتھ برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے جب تک اسے دھو نہ لے)، جب کہ امام ابوداوٗدؒ کا قائم کردہ باب یہ ہے: **باب في الرجل یدخل یدہ في الاناء قبل أن یغسلھا** (اس چیز کا بیان کہ جو شخص سو کر اُٹھے وہ اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے جب تک اس کو دھو نہ لے۔)

حدیث میں 'رات' کی قید و تخصیص مذکور ہے، لیکن دونوں مؤلفینؒ نے اس قید کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ اس طرح یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آدمی چاہے رات میں جاگے یا دن میں سو کر اٹھے، دونوں صورتوں میں برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل انہیں دھونے کا اہتمام کرنا لازم ہے۔ دونوں فقہاء کے تراجم میں وقت کی قید نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من أدرک من الصلوٰۃ رکعۃ فقد أدرک الصلوٰۃ۔ ۲؎

''جس شخص نے نماز کی ایک رکعت پائی اس نے گویا پوری نماز پالی۔''

اس روایت پر امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا ہے: **''باب ماجاء في من یدرک من الجمعۃ رکعۃ''** (اس شخص کا بیان جو جمعہ کی ایک رکعت پائے) اور امام ابوداوٗدؒ نے بھی یہی عنوان لگایا ہے: **''باب من أدرک من الجمعۃ رکعۃ''** (جمعہ کی ایک رکعت پانے والے شخص کا بیان) -اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے بطورِ تخصیص عنواناتِ ابواب قائم کیے ہیں، کیوں کہ حدیث میں لفظ 'الصلوٰۃ' مطلق ہے، جو

اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور نمازِ جمعہ کو بھی شامل ہے۔

لیکن کہیں کہیں استخراجِ مسائل میں امام ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ کا فقہی تدبر ایک دوسرے سے مختلف بھی نظر آتا ہے۔ کبھی امام ترمذیؒ کے تراجم ان کی وسعتِ استنباط کا پتہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

كنت رديف الفضل على أتانٍ فجئنا والنبي ﷺ يصلّي بأصحابه بمنى، قال: فنزلنا عنها، فوصلنا الصفّ، فمرّت بين أيديهم، فلم تقطع صلاتهم۔[۳]

''میں فضلؓ کے پیچھے ایک گدھی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم منیٰ آئے۔ اس وقت نبی ﷺ وہاں اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم اُترے اور صف میں شامل ہوگئے۔ گدھی اُن کے سامنے سے گزری، لیکن ان کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گدھے کے نمازی کے سامنے سے گزرنے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام ابوداؤدؒ کا مقصود اثبات یہی ہے، جس کی بنا پر انھوں نے اس روایت پر یہ عنوان لگایا ہے: **باب من قال: الحمار لا يقطع الصلوٰة** (اس چیز کا بیان کہ بعض لوگوں کے نزدیک نمازی کے سامنے سے گدھا گزرنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی) جب کہ امام ترمذیؒ کے استنباط میں مزید وسعت نظر آتی ہے۔ انھوں نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: **باب ما جاء لا يقطع الصلوٰة شيء** (اس چیز کا بیان کہ کسی بھی چیز کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔)

بسا اوقات امام ترمذیؒ کے مقابلے میں امام ابوداؤدؒ کے قائم کردہ ترجمۃ الباب سے وسعتِ اخذِ احکام کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کی ایڑیاں وضو میں سوکھی ہوئی ہیں تو فرمایا:

ويل للأعقاب من النار، أسبغوا الوضوء۔[۴]

(جہنم کی آگ کی وعید ہے سوکھی ایڑیوں کے لیے۔ وضو اچھی طرح کیا کرو۔)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے کے بعد ’وفی الباب‘ کے ذریعے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کی جانب اشارہ کیا ہے اور ’ویل للأعقاب من النار‘ کے الفاظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ وضو میں دونوں پیر دھونا ضروری ہے۔ چنانچہ بیانِ حدیث کے بعد انہوں نے لکھا ہے:

”وفقه هذا الحديث انه لا يجوز المسح على القدمين اذا لم يكن عليهما خفّان أو جوربان۔“ ۵؎

(اور اس حدیث سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ اگر پیروں پر موزہ یا جراب نہ ہوتو اُن پر مسح جائز نہیں ہے۔)

امام ترمذیؒ کا اثبات محض ایک عضوِ وضو کے حوالے سے کمالِ احتیاط کو ثابت کرتا ہے، جب کہ امام ابوداوٗدؒ نے باب في اسباغ الوضوء (اچھی طرح وضو کرنے کا بیان) قائم کرکے اس احتیاط کا اطلاق تمام اعضائے وضو پر کیا ہے، کیوں کہ ’اسباغ الوضوء‘ کے عموم میں وضو کے جملہ آداب و مستحبات آ جاتے ہیں۔

۳۔ اختصارِ حدیث کی روش

امام ابوداوٗدؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے: ”وہ کبھی طویل حدیث کو ایک باب کے تحت مختصراً بیان کرتے ہیں، تا کہ قارئین و سامعین کے سامنے حدیث کا جو جز و نمایاں کرنا مقصود ہو وہ مخفی نہ رہے اور وہ طوالت میں اُلجھ کر فہم حدیث سے محروم نہ رہ جائیں۔“ ۶؎ مولانا محمد تقی عثمانی رقم طراز ہیں: ”امام ترمذیؒ کوئی حدیث طویل ہونے کی صورت میں عنوانِ باب سے متعلق حصے کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، جس کی بنا پر اس کتاب کی احادیث مختصر بھی ہیں اور یاد رکھنے میں آسان بھی۔“ ۷؎

امام ترمذیؒ اور امام ابوداوٗدؒ دونوں اختصارِ حدیث کی روش اختیار کرتے ہیں، لیکن امام ابوداوٗدؒ حدیث کو مختصراً بیان کرنے کے بعد سکوت اختیار فرماتے ہیں، تصریحِ اختصار کی جانب قارئین کو متوجہ نہیں فرماتے۔ انھوں نے اپنی ’سنن‘ میں جہاں روایات کو مختصراً ذکر کیا اُن میں سے چند مقامات درج ذیل ہیں:

i۔ **باب في اسباغ الوضوء** کے ذیل میں روایت کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے ۸؎ جو کہ صحیح مسلم میں مطولاً مذکور ہے۔۹؎

ii۔ **باب في الغسل من الجنابة** کے تحت مختصر روایت لائے ہیں۔۱۰؎ جو صحیح مسلم کی کتاب الحیض میں مکمل موجود ہے۔ ۱۱؎

iii۔ **باب ماجاء في المشرک یدخل المسجد** کے تحت مختصراً روایت ذکر کی ہے۔۱۲؎ جب کہ وہی روایت انہوں نے کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین میں مفصلاً بیان کی ہے۔ ۱۳؎

iv۔ **باب السجود علی الأنف و الجبهة** کے ذیل میں حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے مروی حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ۱۴؎ جب کہ ابواب لیلہ القدر میں پوری روایت درج ہے۔ ۱۵؎

v۔ **باب مایؤمر المصلّی أن یدرأ عن الممرّ بین یدیه** (اس چیز کا بیان کہ اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گزرنے لگے تو نمازی اس کو روکے) کے تحت انہوں نے جو حدیث روایت کی ہے ۱۶؎ صحیح مسلم میں وہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ۱۷؎

vi۔ **باب النظر في الصلوٰة** کے بعد **باب الرخصة في ذلک** قائم کیا ہے اور اس کے تحت اثباتِ رخصت کے لیے حضرت سہل بن حنظلیہ رضؓ سے مروی روایت کو مختصراً بیان کیا ہے۔ ۱۸؎ یہ روایت کتاب الجہاد، **باب في فضل الحرس في سبیل اللہ عزّوجل** کے تحت مفصلاً درج ہے۔ ۱۹؎

امام ابوداؤدؒ کے برعکس امام ترمذیؒ اختصارِ روایت کے بعد سکوت نہیں فرماتے، بلکہ مناسب الفاظ سے اپنے بیانِ اختصار کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں۔ ذیل میں ایسے چند مقامات کی نشان دہی کی جاتی ہے:

وفي الحدیث قصة طویلة۔ ۲۰؎

وفي الحدیث قصة۔ ۲۱؎

وفي الحدیث کلام أکثر من هذا۔ ۲۲؎

۴۔ ایک باب کے تحت روایاتِ احکام کے اندراج کا اسلوب

امام ابوداؤدؒ، ایک مسئلہ سے متعلق جن احادیث کا انہیں علم ہوتا ہے، اُن سب کو ایک باب کے تحت درج کر دیتے ہیں، لیکن امام ترمذیؒ ہر باب میں حتی الامکان ایک حدیث کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں اور نفسِ مضمون سے متعلق دیگر احادیث کی جانب 'وفي الباب' کے الفاظ سے اشارہ کر دیتے ہیں۔۲۳؎ جو کہ ایک مختصر اور جامع انداز ہے۔چند مثالیں درج ذیل ہیں:

امام ابوداؤدؒ نے نبی ﷺ کی کیفیتِ وضو کے اثبات کے لیے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ، حضرت مقدام بن معدی کرب الکندیؓ، حضرت یزید بن ابی مالکؓ، حضرت ربیع بنت معوّذ بن عفراؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوامامہؓ سے مروی احادیث کا اندراج کیا ہے، جب کہ امام ترمذیؒ نے ابوحیّۃ سے مروی روایت علیؓ سے استدلال کے بعد دیگر احادیث کی جانب اس طرح اشارہ کیا ہے:

"وفي الباب عن عثمان و عبداللّٰہ بن زید و ابن عباس و عبداللّٰہ بن عمرو و عائشة والربیع و عبداللہ بن أنیس (رضوان اللہ علیهم)۔" ۲۵؎

اسی طرح باب من أحقّ بالامامة (امامت کا مستحق کون ہے؟) کے ذیل میں امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابومسعود البدریؓ، حضرت شعبہؓ، حضرت عمرو بن سلمۃؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مالک بن الحویرثؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی روایات ذکر کی ہیں۔۲۶؎ جب کہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابومسعود الانصاریؓ کے طریق سے حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وفي الباب عن أبی سعید و أنس بن مالک و مالک بن الحویرث و عمرو بن سلمة" ۲۷؎

۵۔ فقہی احادیث کے مراتب کے بیان میں طرزِ عمل

امام ابوداؤدؒ فقہی مسائل سے متعلق ضعیف احادیث کی نشان دہی کر دیتے ہیں۔ مثلاً باب کیف التکشّف عند الحاجة (قضائے حاجت کے لیے کس وقت ستر کھولا

جائے؟) کے ذیل میں بیانِ حدیث کے بعد لکھتے ہیں: ''اس روایت کو عبدالسلام بن حرب نے بواسطہ اعمش حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے، مگر یہ سند ضعیف ہے۔'' ۲۸؎ مولانا شمس الحق عظیم آبادی شارح سنن ابی داوٗد وجہِ ضعف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مؤلف کا مقصد عبدالسلام بن حرب کی تضعیف نہیں ہے، کیوں کہ وہ ثقہ و حافظ اور صحیحین کے رجال میں سے ہیں، بلکہ یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اعمش کا سماع حضرت انسؓ سے ثابت نہیں۔'' ۲۹؎

کہیں کوئی روایت منکر ہو تو امام ابوداوٗدؒ اس کی بھی تصریح کر دیتے ہیں۔ ۳۰؎ مثال کے طور پر وہ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی بیت الخلاء میں جائے تو اس انگوٹھی کو اُتار دے جس پر اللہ یا کوئی نام منقوش ہو۔ یہ روایت درج کرنے کے بعد انہوں نے اس کے منکر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ۳۱؎

کسی حدیث میں کوئی وہن (کم زوری) ہو تو امام ابوداوٗدؒ اسے بھی بیان کر دیتے ہیں۔ ۳۲؎ مثلاً **باب کراهیة الکلام عند الخلاء** (بیت الخلاء میں بات کرنا مکروہ ہے) کے اثبات کے لیے وہ عکرمہ بن عمار کی روایت بیان کرنے کے بعد اس کی علّتِ خفیہ کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس حدیث کو سوائے عکرمہ کے کسی اور راوی نے سنداً بیان نہیں کیا ہے۔'' ۳۳؎ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے شارح سنن ابوداوٗد مولانا محمد عاقل نے لکھا ہے: ''بعض رواۃ نے اسے مسنداً اور بعض نے مرسلاً نقل کیا ہے۔ یہ اضطراب وجہِ ضعفِ حدیث ہے۔'' ۳۴؎ اسی طرح اکثر روایات کی اسناد پر امام ابوداوٗدؒ سکوت فرماتے ہیں اور کوئی کلام نہیں کرتے۔ اس سے مراد ان احادیث کا عمل کے لیے لائق اور قابلِ استدلال ہونا ہے۔ ۳۵؎

جب کہ امام ترمذیؒ احادیثِ احکام کے محض ضعیف یا منکر ہونے کی تصریح پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اپنی 'سنن' میں مذکور تقریباً ہر روایت کا تکنیکی مرتبہ (صحیح، حسن، ضعیف، مشہور، غریب، متصل، منقطع، منکر، غیر محفوظ) واضح کرتے ہیں۔ ۳۶؎ یوں کہا جا سکتا ہے کہ روایات کی صحت و ضعف پر کلام کرنا امام ترمذیؒ کی خصوصیت ہے۔ سنن ترمذی

میں بہت سے مقامات پر اندراجِ احادیث کے بعد ان کی صراحت ملتی ہے ۔ ذیل میں بہ طور مثال چند مقامات کی نشان دہی کی جاتی ہے:

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث صحیح ۳۷؎

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث حسن ۳۸؎

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث حسن صحیح ۳۹؎

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث غریب ۴۰؎

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث (غریب) حسن صحیح ۴۱؎

قال أبو عیسی: و حدیث عبد اللّٰه بن زید حسن غریب ۴۲؎

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث منکر ۴۳؎

قال أبو عیسی: و هٰذا حدیث ضعیف ۴۴؎

قال أبو عیسی: هٰذا حدیث غیر محفوظ ۴۵؎

قال أبو عیسی: حدیث فاطمة حدیث حسن، و لیس اسناده بمتصلٍ، و فاطمة بنت الحسین لم تدرک فاطمة الکبریٰ، انما عاشت فاطمة بعد النبي صلی اللّٰه علیه وآله وسلم أشهراً ۴۶؎

(ابوعیسیٰ نے کہا: حدیثِ فاطمہؓ حسن ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں ہے، کیوں کہ فاطمہؓ بنت حسین نے فاطمۃ الکبریٰؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چند مہینے زندہ رہیں۔)

۶۔ مرفوع و موقوف روایات فقہ کے اختلاف کا بیان

امام ابوداوُدؒ فقہی مسئلہ سے متعلق کسی حدیث میں مرفوع اور موقوف کے اختلاف کو صراحت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے **باب صفة وضوء النبي** صلی اللّٰه علیه وآله وسلم کے ذیل میں یہ روایت ذکر کی ہے:

عن أبی أمامة ذکر وضوء النبي صلی اللّٰه علیه وآله وسلم یمسح المآقین، قال وقال: الأذنان من الرأس۔ ۴۷؎

(ابوامامہؓ نے نبی ﷺ کے وضو کا ذکر کیا تو کہا کہ آپؐ آنکھوں کے کویوں کو ملتے تھے اور انہوں نے کہا: دونوں کان سر میں داخل ہیں۔)

اس کے بعد لکھتے ہیں: ''سلیمان بن حرب (راویٔ حدیث الباب) کے بقول ابوامامہؓ ایسا کہا کرتے تھے، جب کہ قتیبہ نے حماد (راویٔ حدیث الباب) کے حوالے سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ یہ الفاظ (**الأذنان من الرأس**) آں حضرت ﷺ کے ہیں یا ابوامامہ کے۔'' ۴۸؎

امام ترمذیؒ اس اختلاف کو بیان کرنے کے علاوہ کسی حدیث کے کثرتِ طرق کے اظہار کے لیے اُسے مرفوعاً ذکر کرتے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ موقوف ہوتی ہے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد اس کے موقوف ہونے کی صراحت کردیتے ہیں۔ ۴۹؎ جیسا کہ میت کی طرف سے روزہ کی صورت میں وجوبِ کفارہ کے اثبات کے لیے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے مروی مرفوع روایت بیان کی ہے:

من مات و علیه صیام شهر فلیطعم عنه مکانَ کل یومٍ مسکیناً ۵۰؎

(جو شخص مرجائے اور اس کے ذمے ماہِ رمضان کے روزے ہوں تو (اس کا وارث) ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو وہ صرف **عن أشعث عن محمد عن نافع عن ابن عمر عن النبي** ﷺ کے طریق سے مرفوعاً جانتے ہیں (جس کو انہوں نے اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے)، لیکن ابن عمرؓ سے مروی موقوف روایت ہی صحیح ہے۔ ۵۱؎ اندراجِ اسناد میں امام ترمذیؒ کا یہ لطیف اور منفرد انداز ہے۔

۷۔ فقہی مباحث کے بیان کا منہج

امام ابوداؤدؒ سے قبل جس نہج پر کتبِ حدیث لکھی گئی تھیں اُن کا تعلق جوامع اور مسانید سے تھا، یعنی ان میں احکام، اخبار، قصص، مواعظ و آداب، ہر قسم کی روایات موجود تھیں۔ ۵۲؎ انہوں نے کتبِ حدیث میں جس نوع سے اپنی خدمت کی ضرورت محسوس کی، اس کو 'سنن' کہا جاتا ہے۔ فنِ حدیث میں انہوں نے 'جوامع' اور

'مسانید' کے عام راستے سے ہٹ کر ایک منفرد راہ اختیار کی اور محض فقہی احکام سے متعلق روایات پر مشتمل مجموعہ 'سنن' تالیف کیا۔ مولانا محمد عاقل نے لکھا ہے:

"اس کتاب (سنن ابی داؤد) کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اوّل السنن ہے۔" ۵۳؎

خود امام ابو داؤدؒ نے اہلِ مکہ کے نام اپنے مکتوب میں لکھا ہے: "انھوں نے اس کتاب میں صرف احادیثِ احکام کے استخراج پر توجہ کی ہے اور زہد وفضایلِ اعمال سے متعلق احادیث کو درج نہیں کیا ہے۔" ۵۴؎

اس ضمن میں امام ترمذیؒ کے منہج کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی اپنی کتاب 'العلل الصغیر' میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی 'سنن' میں محض ان احادیث کو جمع کیا ہے جن پر اہلِ علم کا عمل رہا ہے، سوائے دو احادیث کے، جو کہ ابواب الصلوٰۃ ۵۵؎ اور ابواب الحدود ۵۶؎ میں درج ہیں۔ ۵۷؎ لیکن اس کے ساتھ امام ترمذیؒ بیانِ احادیث کے بعد فقہائے صحابہ وتابعین واتباع تابعین کے مذاہب اور عمل بالحدیث کو بھی بالالتزام بیان کرتے ہیں۔ ۵۸؎

گویا دونوں ائمہ کرام نے اپنی تالیفات میں احادیثِ احکام کا استخراج کیا ہے لیکن امام ابو داؤدؒ کے برعکس امام ترمذیؒ محض احادیثِ احکام کے ذکر پر اکتفا کرنے کے بجائے مذاہبِ فقہاء کو بیان کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ احادیثِ احکام کو جمع کرنے میں امام ابو داؤدؒ کو اولیت کا مقام حاصل ہے، جب کہ ان احادیث میں مذکور فقہی مسائل سے متعلق مذاہب ائمہ کے اختلاف و عدم اختلاف کے تفصیلی بیان کے اعتبار سے امام ترمذیؒ مقامِ اولیت پر فائز ہیں۔ اس طرح دونوں تالیفات میں ایک خوب صورت فقہی ربط ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیل مسئلہ (مذاہب وتعامل ائمہ) کو ذکر کرنا امام ترمذیؒ کا خاصہ ہے، جب کہ دلیل مسئلہ کا بیان وظیفۂ ابو داؤدؒ ہے۔ مسئلہ اور دلیل مسئلہ کے مابین یہ فقہی ربط طلبۂ حدیث وفقہ کے لیے اہم رہ نمائی فراہم کرتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ سنن ترمذی، ابواب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۴، سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۱۰۳

۲۔ سنن ترمذی، ابواب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۵۲۴، سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۱۰۸

۳۔ سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۳۳۷، سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۰۷

۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۹۷، سنن ترمذی، ابواب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۴۱

۵۔ سنن ترمذی، حوالہ سابق

۶۔ ابوداؤد، رسالۃ أبی داؤد الی اہل مکۃ، بیروت: دار العربیۃ، س ن، ص ۲۴، عینی، بدرالدین، شرح سنن أبی داؤد، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۰ھ، ج ۱، ص ۳۷

۷۔ محمد تقی عثمانی، درس ترمذی، مرتب: مولانا رشید اشرف سیفی: مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۱۴۳۲ھ، ج ۱، ص ۱۴۷

۸۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۹۷

۹۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل الرجلین بکمالہا، حدیث نمبر: ۵۷۰

۱۰۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۳۹

۱۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب استحباب افاضۃ الماء علی الرأس وغیرہ ثلاثاً، حدیث نمبر: ۵۴

۱۲۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۴۸۸

۱۳۔ ایضاً، کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین، حدیث نمبر: ۴۴۴۶

۱۴۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۸۹۴

۱۵۔ ایضاً، ابواب لیلہ القدر، باب فیمن قال لیلہ احدی وعشرین، حدیث نمبر: ۱۳۸۲

۱۶۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۹۷

۱۷۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب منع المارّ بین یدی المصلّی، حدیث نمبر: ۱۱۲۹

۱۸۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۹۱۶

۱۹۔ ایضاً، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۵۰۱

۲۰۔ سنن ترمذی، ابواب الجمعۃ، باب فی الساعۃ التی ترجیٰ فی یوم الجمعۃ، حدیث نمبر: ۴۹۱

۲۱۔ ایضاً، ابواب الحج عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الذی یحرم وعلیہ قمیص أو جبۃ، حدیث نمبر: ۸۳۶

۲۲۔ ایضاً، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی ا لمیت، حدیث نمبر:۱۰۰۵

۲۳۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، دارالجیل بیروت، ۱۴۲۶ھ، ج۱، ص۲۵۹، گنگوہی، رشید احمد، الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، ۱۴۰۷ھ، ج۱، ص۴، بنوری، محمد یوسف، معارف السنن شرح جامع الترمذی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، سن، ج۱، ص۳۹

۲۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر:۱۰۶ تا ۱۳۷

۲۵۔ سنن ترمذی، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان، حدیث نمبر: ۴۸

۲۶۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۵۷۹ تا ۵۸۷

۲۷۔ سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۲۳۵

۲۸۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ،، حدیث نمبر: ۱۴

۲۹۔ عظیم آبادی، محمد شمس الحق، غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد: دارالطحاوی الریاض، ۱۴۱۴ھ، ج۱، ص۱۲۲

۳۰۔ ابوداؤد، رسالۃ أبی داؤد الی اہل مکۃ، ص ۲۵

۳۱۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب الخاتم یکون فیہ ذکر اللہ تعالیٰ یدخل بہ الخلاء، حدیث نمبر:۱۹

۳۲۔ ابوداؤد، رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکۃ، ص ۲۷

۳۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب کراہیۃ الکلام عند الخلاء، حدیث نمبر:۱۵

۳۴۔ محمد عاقل، الدرّ المنضود علی سنن أبی داؤد، مکتبۃ الشیخ کراچی، س ن، ج۱، ص۱۰۳

۳۵۔ ابوداؤد، رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکۃ، ص ۲۷

۳۶۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج۱، ص۲۵۹

۳۷۔ سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی التعجیل بالظہر، حدیث نمبر:۱۵۶

۳۸۔ ایضاً، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء انہ یبدأ بمؤخر الرأس، حدیث نمبر: ۳۳

۳۹۔ ایضاً، باب ماجاء فی کراہیۃ الاستنجاء بالیمین، حدیث نمبر:۱۵

۴۰۔ ایضاً، باب ماجاء فی کراہیۃ البول فی المغتسل، حدیث نمبر:۲۱

۴۱۔ ایضاً، باب ماجاء فی الوضوء من الریح، حدیث نمبر:۷۶

۴۲۔ ایضاً، باب المضمضۃ والاستنشاق من کفٍ واحدٍ، حدیث نمبر:۲۸

۴۳۔ ایضاً، ابواب الصوم، باب ماجاء فیمن نزل بقومٍ فلایصوم الّا باذنہم، حدیث نمبر:۷۸۹

۴۴۔ ایضاً،حوالہ سابق
۴۵۔ ایضاً، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الاذان باللیل، حدیث نمبر: ۲۰۳
۴۶۔ ایضاً، باب ماجاء مایقول عند دخولہ المسجد، حدیث نمبر: ۳۱۵
۴۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۱۳۴
۴۸۔ ایضاً
۴۹۔ سعیدی، غلام رسول، تذکرۃ المحدثین، لاہور: فرید بک اسٹال، ۱۴۲۶ھ، ص ۲۳۸
۵۰۔ سنن ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الکفارۃ، حدیث نمبر: ۷۱۸
۵۱۔ ایضاً
۵۲۔ خطابی، محمد بن ابراہیم، ابوسلیمان، معالم السنن، المطبعۃ العلمیۃ حلب، ۱۳۵۱ھ، ج ۷، ص ۷، عظیم آبادی، محمد اشرف، عون المعبود علی سنن ابی داؤد، بیت ال آفکار الدولیۃ الاردن، س ن، ج ۱، ص ۶
۵۳۔ محمد عاقل، الدرّ المنضود علی سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۰
۵۴۔ ابوداؤد، رسالۃ أبی داؤد الی اہل مکۃ، ص ۳۵، منظور احمد، فضل المعبود فی شرحہ سنن ابی داؤد، المصباح لاہور، س ن، ج ۱، ص ۳۲، یوسف جاجروی، فتح الودود فی حل قال ابوداؤد، المیز ان ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۶۶
۵۵۔ سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین فی الحضر، حدیث نمبر: ۱۸۷
۵۶۔ ایضاً، ابواب الحدود، باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوہ ومن عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ، حدیث نمبر: ۱۴۴۴
۵۷۔ ترمذی، العلل الصغیر، :داراحیاء التراث العربی بیروت، س ن، ج ۱، ص ۷۳۶
۵۸۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۲۵۹، گنگوہی، رشید احمد، الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ج ۱، ص ۴، بنوری، محمد یوسف، معارف السنن شرح جامع الترمذی، ج ۱، ص ۳۹

بحث ونظر

جنت میں داخلہ کی قرآنی ضمانتیں
اور حدیثی تشریحات

—————— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ایمان وعمل دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کی دو بنیادی اور لازم وملزوم شرائط ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا ایک تجزیہ بہ ترتیب مصحف سورت بہ سورت حسب ذیل ہے:

۱ - مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَھُمْ أَجْرُھُمْ عِندَ رَبِّھِمْ (البقرۃ:۶۲)

۲ -مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ وعَمِلَ صَالِحاً فَلاَخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُونَ (المائدۃ:۶۹)

۳- مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَکَرٍ أَوْ أُنثَی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہُ حَیَاۃً طَیِّبَۃً (النحل:۹۷)

۴-وَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحاًفَأُوْلَئِکَ یَدْخُلُونَ الْجَنَّۃَ (مریم:۶۰)

۵- وَمَنْ یَأْتِہِ مُؤْمِناً قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَأُوْلَٰئِکَ لَھُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی (طٰہٰ:۷۵)

۶ - إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُوْلَئِکَ لَھُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا (سبا:۳۷)

۷-مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزَی إِلَّا مِثْلَھَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَکَرٍ أَوْ أُنثَی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَٰئِکَ یَدْخُلُونَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُونَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ (غافر:۴۰)

ان تمام آیات کریمہ میں ایمان اور عمل صالح کو مربوط اور لازم وملزوم کر کے

اصحابِ ایمان و عمل صالح کے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اولین آیت میں ان کے رب کے پاس ان کے اجر ملنے کا، دوسری آیت میں ان کے بے خوف ہونے کا، تیسری میں ان کو حیات طیبہ عطا فرمانے کا، چوتھی آیت میں جنت میں ان کے داخل ہونے کا، پانچویں میں ان کے درجات عالیہ کا، چھٹی میں ان کے اعمال کے چند در چند اضافہ کے ساتھ جزا کا اور ساتویں میں ان کے جنت میں داخلہ اور وہاں ان کے بلاحساب رزق سے نوازے جانے کا وعدۂ الٰہی ہے۔ متعدد آیات میں مرد اور عورت دونوں کو شامل کیا گیا ہے، یعنی ایمان اور عمل صالح کرنے والوں میں صنف و جنس کا کوئی امتیاز نہیں اور ہر صاحب ایمان و عمل صالح مرد کے ساتھ ہر صاحبۂ ایمان و عمل صالح عورت مساوی ہے۔ اس صیغۂ ماضی میں ایک اور شرط کا اضافہ بعض آیات میں کیا گیا ہے کہ وہ توبہ کریں اور ایمان لائیں اور صالح عمل کریں، جیسا کہ سورۂ مریم ۶۰: میں واضح ہے: إِلَّا مَن تَابَ وَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ۔ اس میں جنت میں داخلہ کا ذکر ہے اور سورۂ طٰہٰ ۸۲: میں اللہ کی مغفرت اور ہدایت کی ضمانت ہے۔ سورۂ فرقان: ۷۰–۷۱ میں ان کے سیئات کو حسنات میں بدلنے اور خدائے غفور رحیم کی مغفرت و رحمت کی اور انابت کی قبولیت کی بیان کی گئی ہے۔ سورۂ قصص: ۶۷ میں ان کے فلاح پانے والوں (المفلحین) میں شامل ہونے کی بشارت ہے۔ توبہ کا ایمان و عمل صالح پر اضافہ دو صورتوں کا امکان رکھتا ہے: وہ اپنے کفر و انکار سے توبہ کر کے ایمان لائیں اور عمل کریں، یا وہ بعد ایمان کبائر اور شدید گناہوں سے توبہ کریں اور عمل کریں (فرقان ۷:)۔

جنت میں داخلہ کی بشارت و اجر عظیم

ایمان و عمل صالح کے صیغۂ جمع ماضی میں بھی متعدد آیاتِ کریمہ مختلف سورتوں میں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک طبقۂ آیات میں جنت میں داخل ہونے کی ضمانتِ الٰہی کا اظہار کیا گیا ہے، جیسے: وَبَشِّرِ الَّذِيْن آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰت ۔ البقرۃ: ۲۵، ابراہیم: ۲۳۔ اول الذکر سورت، آیت: ۸۲ میں اور سورۂ ہود: ۲۳ ان کو أصحاب الجنة قرار دیا گیا ہے۔ سورہ نساء: ۵۷، ۱۲۲، دونوں میں ایک جیسی عبارت

ہے۔ان میں جنت میں داخل کرنے کے وعدہ الٰہی کا بیان ہے۔ایسی دوسری آیات ہیں: الحج: ۱۴، ۲۳: البروج :۱۱ وغیرہ ۔ دوسری متعدد آیات میں ان کے کامل اجر، مغفرت، ہدایت، کام یابی، حسنِ انجام، محبت الٰہی (ودّ) وغیرہ کے خاص انعامات کا وعدہ ہے: النساء: ۱۲۴، ۱۷۳، المائدۃ:۹، الاعراف: ۴۲، ۱۵۳، جنت میں داخل کرنے کی اور بھی آیات کریمہ ہیں: سورۂ محمد: ۱۲، سورۂ نحل، ۳۲ میں یہی وعدۂ الٰہی جنت میں داخل ہونے کی شکل میں ہے: اُدخُلو االجنّةَ بِمَا کُنتم تعمَلُونَ، سورۂ طلاق: ۱۱، وغیرہ جنت میں داخلہ کی بشارت اور اصحاب جنت کی حیثیت کی ضمانت کی ایک اور جہت یہ بھی بعض آیات کریمہ میں آئی ہے کہ وہ جنت میں خلود در مستقل قیام وضیافت کے حق دار بنیں گے۔سورۂ احقاف: ۱۴ میں ہے: أُولَئِکَ أَصحٰبُ الجَنّةِ خٰلِدِینَ فِیهَا جَزَاءً بِمَا کَانُوا یَعمَلُونَ ۔

جنت کے منازل ومقاماتِ عالیہ

ان کے علاوہ بعض آیاتِ کریمہ میں جنت کے مقاماتِ عالیہ اور بہترین جنت، جنت الفردوس میں اصحاب ایمان وعمل صالح کے داخلہ کا وعدۂ ربانی بیان ہوا ہے: سورۂ کہف: ۱۰۷: إِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَت لَهُم جَنّٰتُ الفِردَوسِ نُزُلاً؛ فَالَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِی جَنّٰتِ النَّعِیمِ، سورۂ حج: ۵۶، سورۂ لقمان: ۸؛ فَأَمَّا الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُم فِی رَوضَةٍ یُحبَرُونَ، سورۂ روم: ۱۵؛ أَمَّا الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُم جَنّٰتُ المَأوٰی: سورہ السجدہ: ۱۹۔اس نوع دوسری کئی آیات ہیں، جیسے سورۂ شوریٰ: ۲۲۔آیاتِ قرآنی میں جنتوں کی قسمیں ہیں: جنۃ الفردوس، جنۃ النعیم، جنۃ الماوی، جنۃ عدن، روضات الجنات اور جمع کے صیغہ میں لاکر ان کی درجہ بندی کی گئی ہے۔اس ضمن میں خاص طور سے سورۂ احقاف: ۱۹ ملاحظہ ہو: وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَلِیُوَفِّیَهُم أَعمَالَهُم وَهُم لَا یُظلَمُونَ۔اس میں اعمال کا پورا اجر دینے اور اس میں کسی قسم کی کتر بیونت نہ کرنے کا وعدہ ہے اور اس سے زیادہ ان کے اعمال کے درجات کا ذکر ہے، جو عمل کے درجہ، تعدّد درجہ کی عطا کو مستلزم ہے۔ان تمام آیاتِ کریمہ میں جنت کے درجاتِ عالیہ کو اعمال کے درجات سے وابستہ کیا گیا ہے۔

اجر ضائع نہ ہونے کا وعدہ

بہت سی آیات میں اجر ضائع نہ ہونے کا وعدہ الٰہی کیا گیا ہے۔ مثلاً: سورۃ کہف۱۸: ۳۰: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا۔ اس آیتِ کریمہ میں خاص احسان عمل کا ذکر ہے، حالاں کہ عمل صالح خود احسن عمل ہے۔

ان میں وہ آیاتِ کریمہ سب سے زیادہ اہم اور معنیٰ آفریں ہیں جو عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہ ہونے کا وعدہ کرتی ہیں۔ مثلاً سورۃ آل عمران: ۱۹۵: أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ۔

عمل پر بہترین اجر کا وعدہ

ان میں ایمان و عمل صالح کرنے والوں کے اجر کو بہترین اجر قرار دیا گیا ہے، جیسے:

سورۃ آل عمران: ۱۳۶ ''۔۔۔۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔

سورۃ العنکبوت: ۵۸: ''۔۔۔۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔

سورۃ زمر: ۷۴ ''۔۔۔۔ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔

رحمتِ الٰہی میں نیک اعمال کی وجہ سے داخلہ

رحمت الٰہی میں داخل کرنے والی آیات قرآنی بھی کافی تعداد میں ہیں، جو اصحابِ ایمان و عمل صالح کو ان کے عقیدہ و عمل کے سبب رحمت کا مستحق بناتی ہیں۔ رحمت الٰہی کی حق داری اور اس سے سرفرازی، خاص اس باب میں، ایمان و عمل صالح کے اجر و نتیجہ کو ثابت کرتی ہیں، جیسے سورۃ جاثیہ: ۳۰ میں ہے: فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهِ۔

قبولیتِ عمل صالح کا وعدہ الٰہی

کئی آیات کریمہ میں عمل صالح کو قبولیت کے وعدہ سے بھی پابند کیا گیا ہے۔ ان میں عمل کو قبول کرنے کا ایک عام ذکر بھی ہے اور عمل احسن کو قبول کرنے کے ساتھ اس

پر مزید عطا کا بھی خاص ذکر ہے، جو درجاتِ رحمت اور درجاتِ جنت دونوں کو مستلزم ہے۔

سورۂ شوریٰ:۲۶: وَيَسۡتَجِيبُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ☐ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضۡلِهِۦ۔

سورۂ احقاف ۱۹: وَلِكُلّٖ دَرَجَٰتٞ مِّمَّا عَمِلُواْ ۔ اس آیت میں اعمال کے درجات کی صراحت ہے۔

سورۂ احقاف :۱۶: أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ أَحۡسَنَ مَا عَمِلُواْ۔

مذکورہ بالا سورۂ احقاف کی آیت کریمہ:۱۶ ایک جامع و مانع آیت وعدہ ہے اور وہ تمام جہاتِ داخلہ ورحمت کے وعدۂ صدق کو محیط ہے: أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ أَحۡسَنَ مَا عَمِلُواْ وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّـَٔاتِهِمۡ فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلۡجَنَّةِۖ وَعۡدَ ٱلصِّدۡقِ ٱلَّذِي كَانُواْ يُوعَدُونَ۔ اس آیت کریمہ میں اصحاب ایمان وعمل صالح کے بہترین عمل کی قبولیت، ان کی سیئات سے تجاوز ومغفرت، ان کے اصحاب جنت ہونے کی بشارت اور ان سب کے وعدۂ صدق، جو ان سے دنیا میں ہی کر دیا گیا ہے، کی طرف صراحت کی گئی ہے۔

عمل کرنے والوں کے لیے جنت کی وراثت

جنت کی وراثت دنیا میں عمل کے بدلے دینے کا وعدہ بھی بعض آیات کریمہ میں آیا ہے اور وہ ایک نئی جہت ہے۔ جیسے سورۂ الزخرف: ۷۲ میں ہے: وَتِلۡكَ ٱلۡجَنَّةُ ٱلَّتِيٓ أُورِثۡتُمُوهَا بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ۔

اور سورۂ الاعراف ۴۳ میں ہے: وَنُودُوٓاْ أَن تِلۡكُمُ ٱلۡجَنَّةُ أُورِثۡتُمُوهَا بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ۔

ان دونوں آیات کریمہ میں واضح طور سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت دنیا کے نیک اعمال کے بدلے میں ان کو وراثت میں دی گئی ہے۔ وراثت میں دیے جانے کا قرآنی صیغہ 'أُورِثۡتُمُوهَا' اپنی بلاغت، وسعت اور ہمہ گیری کی جہات رکھتا ہے اور ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ جنت ان کے اعمال کے ورثہ میں ملی ہے، جس طرح میراث میں مالِ والدین رمورث ملتا ہے۔

ایمان واعمال صالحہ والے بہترین مخلوق

اعمال صالح کرنے والوں کو بعض آیات کریمہ میں 'بہترین مخلوق' قرار دیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ بینہ: ۷: إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اور ان کی جزا ان کے اعمال صالحہ کی بنا پر یہ قرار دی کہ وہ جنت عدن میں ہمیشہ رہیں گے اور اس سے زیادہ ان کو رضائے رب کی نعمت ملے گی اور وہ تو اس سے راضی برضا ہی رہے ہیں، اللہ بھی ان سے راضی ہوا اور یہ سب ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے خشیت رکھتے ہیں: جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ: البینة: ۸۔ یہ راضی برضا کی دولت اور رضائے الٰہی سے ان کی سرفرازی بالترتیب فطرت ونعمت عظیم ترین صالحین، انبیاء کرام اور صحابۂ کرام ہی کو نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ آیات کریمہ تصریح کرتی رہیں: المائدۃ: ۱۱۹ (صادقین کے صدق کے لیے حواری عیسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے)، التوبۃ: ۱۰۰ (مہاجرین وانصار کے سابقین اولین کے لیے) المجادلۃ: ۲۲ (حزب اللہ کے لیے محبت الٰہی سے سرشاری) رضائے الٰہی اور رضوانِ ربانی کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور وہ سب ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا میں عطائے رب کا وعدہ کرتی ہیں۔

خسران سے حفاظت

ایمان واعمال صالحہ والوں کو خسران سے محفوظ کرنے کی جہت کا ذکر بھی اسی کا ایک پہلو ہے، جیسے سورۂ العصر میں ہے: إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ حق وصبر کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرنے کا عمل اعمال صالحہ کا ایک جزو ہے، گرچہ جزو اعظم ہی تسلیم کیا جائے اور وہ صرف ایک جزو اور جہت کا بیان ہے، ورنہ اعمال صالحہ کا باب بہت ہمہ گیر ہے۔ وہ فضائل اخلاق کا پورا دفتر اور مومن وعامل صالح کی زندگی کا تمام تر دستور ہے اور نظریاتی ہدایات وبیانات قرآنی کی عملی صورت اسوۂ نبوی میں ہے۔

عمل اور جزا کا باہمی ربط

عمل اور جزا کا ربط باہمی چند دوسری آیات کریمہ میں آیا ہے، جو یہ بتاتا ہے کہ جیسا عمل ہوگا ویسی ہی جزا ہوگی۔ مثلا: سورۃ صٰفٰت: ۳۹: وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۔سورۃ جاثیہ: ۲۸: وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۔مزید ملاحظہ کیجیے سورۃ طور: ۱۶، ۱۹، سورۃ مرسلات: ۴۳ اور سورۃ تحریم: ۷۔منفی انداز سے منکرین و کافرین کے عمل کی جزا کے بطور فرمایا گیا ہے۔ منفی و مثبت عمل کا بدلہ ظاہر ہے کہ اس کے مطابق منفی و مثبت ہی ہوگا۔ لہٰذا منکرین و کافرین کو سزا اور عقاب کا سامنا ہوگا اور ایمان و اعمال صالحہ والوں کو جزائے خیر ملے گی۔

سعی وجدوجہد اعمال کی قبولیت کی ضمانت

اعمال صالحہ کی سعی کو بھی شرف قبولیت عطا کر کے اس کے انکار و استرداد کا سدّ باب کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ انبیاء: ۹۴ میں ہے: فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۔

اعمال صالحہ ایمان کے ساتھ سیئات کو ختم کرنے والے بن جاتے ہیں۔ یہ دوسری جہت ہے، جو سورۃ التغابن: ۹ میں ہے: وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ ۔

اعمال اور ان کی جزا کے درجات

اعمال صالحہ کے درجات کے مطابق جزا و جنت کے درجات کا اعلان الٰہی منطقی ہے اور عدل الٰہی کی عکاسی کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ انعام: ۱۳۲ میں ہے: وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۔

درجات کا فرق نہ صرف اس باب میں، بلکہ مختلف معاملات میں ہے: (۱) عام لوگوں کے درجات ہیں۔ (۲) اہل علم کے درجات ہیں۔ (۳) انبیاء کرام کے درجات ہیں۔ (۴) عاملین کے درجات ہیں۔ (۵) محسنین کے درجات ہیں۔

اصلاً یہ درجہ بندی سعی و جدوجہد کی وجہ سے بھی ہے، اخلاص کی بنا پر بھی ہے،

نگاہ رب العالمین میں ان درجات والوں کے مقامات و کرامات کی بنا پر بھی ہے۔ اسی کی ایک خوب صورت اور معنیٰ خیز جہت یہ ہے کہ بہترین عمل کی اسی کے مطابق جزا ملے گی: سورۂ توبہ:۱۲۱ میں ہے: لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ ایسی دوسری آیات کریمہ ہیں: سورۂ نحل:۹۶، ۹۷: سورۂ عنکبوت: ۷۔

چند آیات کریمہ، جیسے سورۂ الاسراء: ۹، سورۂ کہف: ۲ میں مومنین و اصحاب اعمال صالحہ کو اجر کبیر اور اجر حسن کی بشارت دینے کا حکم صاحبِ قرآن کو دیا گیا۔ ملاحظہ کیجیے: سورۂ العنکبوت: ۷، سورۂ الزمر: ۳۵۔

محسنین کا بہتر مقام و جزا

محسنین کا درجہ عام عاملین سے بلند تر ہے۔ ایمان، اسلام اور احسان کے سہ گونہ درجات کی طرح، جب عبادت الٰہی میں رب العزت نظر آنے لگتا ہے اور کوتاہ ہمتوں کو صرف اسی کی صفت ناظر و حاضر کا جلوہ ملتا ہے۔ یہ دونوں بھی بلند ترین درجات کے اعلیٰ اور ادنیٰ زاویے ہیں اور ان میں اللہ کی رؤیت کا جلوہ انبیاء کرام اور ان کے محسنین کا نصیب ہے اور ادنیٰ درجہ کے حاضر و ناظر خاصان خدا کا بھی نصیبہ ہے۔ یہ محسنین کا اعلیٰ درجہ پانے والے اپنے اعمال صالحہ کی بلند پایگی، خلوص اور اخلاص سے ہی پاتے ہیں، یعنی احسان اور محسن عمل و عامل کا انتہائی بلند ترین مقام ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی جزا کو نہ صرف یہ کہ ضائع نہیں فرماتا، بلکہ اسے سب سے زیادہ بھرپور طریقے سے عطا فرماتا ہے۔ احسان والے اعمال کا ایک وسیع و ہمہ گیر بیانیہ ایسی آیات کریمہ: احسان، حسنیٰ اور محسنین وغیرہ کے ضمن میں ملتا ہے اور ان سب میں عمل صالح کی ہی کوئی شق، صورت اور ترکیب موجود ہے۔ محسنین سے متعلق چند اہم ترین آیات درج ذیل ہیں، جن میں ان کے اجر کا ذکر ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۂ توبہ:۱۲۰)

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۂ ہود:۱۱۵) نیز سورۂ یوسف ۵۶، ۹۰۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (سورۂ عنکبوت:۶۹)

کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِیْئاً بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔إِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ (سورۂ مرسلات: ۴۴)

فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنکُنَّ أَجْراً عَظِیْماً۔ (سورۂ احزاب:۲۹)

ازواجِ مطہرات اوران کے حوالے سے تمام مسلماتِ محسنات کے لیے۔

رحمت الٰہی کی وابستگی احسان

رحمت الٰہی ایمان وعمل صالح کرنے والے عام عاملین کے علاوہ درجہ بدرجہ تمام اصحاب درجات عالیہ کوملتی ہے اورمحسنین کرام کے بلند ترین درجہ کے سرفرازوں اور ان کے سادات یعنی انبیاء کرام کوان کے مقام ومرتبت کے مطابق نصیب ہوتی ہے۔ رحمت الٰہی دراصل ایمان وعمل صالح کی جزا کا ہی حصہ ہے۔ وہ رضائے الٰہی کی طرح بلکہ اس سے کسی قدر فروتر نوعیت رکھتی ہے۔ایسی چند آیات کریمہ سے ان کی معنویت، درجہ بندی اور بلند پایگی واضح ہوجاتی ہے:

☆محسنین کے لیے رحمت: إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ الاعراف ۵۶: هُدًی وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ۔لقمان: ۳۔

☆انبیاء کرام پر ایمان لانے والے اوراعمال کرنے والے بہت سی آیات کریمہ میں اس کے مستحق بنتے ہیں: اعراف ۵۲: ...رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُونَ، نیز الاعراف ۲۰۳، ۱۵۴؛ ہود ۲۸ وغیرہ؛ یوسف: ۱۱۱؛ النمل: ۷۷، الجاثیہ: ۲۰۔

☆ایمان لانے والوں اورعمل صالح کرنے والوں کے لیے: فَأَمَّا الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ: الجاثیہ: ۳۰۔

☆ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔اس معنیٰ کی بہت سی آیات ہیں،لیکن یہ مشیتِ الٰہی اندھی بہری نہیں ہے۔ وہ خالص ایمان اوراعمال صالح اوران کے درجات سے مشروط اوروابستہ ہے۔اس مشیت اوراس کے سبب و تقاضے اورانعام کی وضاحت بھی کردی گئی ہے۔

بعض بہ ظاہر متعارض احادیثِ نبوی کا صحیح مفہوم

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی بنا پر جنت کا مستحق نہیں بنے گا۔ امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی کتاب الرقاق، باب القصد والمداومۃ علی العمل کے تحت ایک حدیث نبوی پیش کی ہے، جس کا اہم ترین حصہ یہ ہے: ''لن یُدخلَ أحدَکم الجنۃَ عملُه'' (تم میں سے کوئی اپنے عمل کی بنا پر ہرگز جنت میں نہیں جائے گا۔) اس حدیث اور آیاتِ قرآنی: الزخرف ۷۲، النحل: ۳۲: وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ کے بارے میں حافظ ابن الملقنؒ (عمرو بن علی بن احمداندلسیؒ، ۷۲۳ھ/۱۳۲۳- ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء) کی شرح بخاری التوضیح بشرح الجامع الصحیح، دارالنوادر، دمشق ۲۰۰۸ (چھتیس جلدیں) پر حافظ احسان اللہ، لیکچرر پوسٹ گریجویٹ تعلیم الاسلام کالج، چناب نگر، ضلع چنیوٹ، پاکستان) کا مضمون بعنوان 'ابن الملقن اوران کی شرح صحیح بخاری' سہ ماہی تحقیقات اسلامی، اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۹ء ص ۱۵-۴۰ میں شائع ہوا ہے، جس کے آخر میں 'بہ ظاہر متعارض احادیث میں تطبیق کا اہتمام' کا عنوان ذیلی قائم کرکے ان دونوں آیات کریمہ کے بارے میں حافظ موصوف کے دو بیانات رفع تعارض کے نقل کیے گئے ہیں۔ اول الذکر آیت قرآنی سے تعارض رفع کرتے ہوئے یہ جواب دیا گیا ہے کہ ''جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا، نہ کہ اعمال کے ذریعہ۔۔۔'' اور دوسری آیت کے سلسلے میں یہ جواب نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مجمل ہے۔ اس سے مراد جنت کے منازل اور محلات ہیں۔ (حوالہ سابق، ۲/۷۰-۷۱) حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بہ ظاہر متعارض احادیث میں تطبیق کی بات کہی جارہی ہے، لیکن تعارض دو آیات کریمہ سے دور کیا جارہا ہے، احادیث کا کہیں حوالہ نہیں۔ مؤخر الذکر آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مجمل قرار دینے کا سبب صرف یہ ہے کہ شارحِ بخاری نے تمام دیگر آیاتِ قرآنی کو نظر انداز کرکے صرف ایک پر ارتکاز کیا۔ آیاتِ کریمہ بہت مفصل ہیں اور مذکورہ آیت کریمہ میں واضح ہے کہ جزائے اعمال کا نتیجہ داخلۂ جنت ہے۔ اب رہا یہ دعویٰ کہ جنت میں

داخلہ اللہ کی رحمت سے ہوگا نہ کہ اعمال سے، یہ بھی غلط ہے۔ رحمتِ الٰہی ایمان وعمل صالح سے مربوط ومشروط ہے اور انہی سے وہ نصیب ہوگی۔ تیسرا بیانِ شارح کہ اس سے مراد جنت کے 'منازل ومحلات ہیں'، یہ بھی صحیح نہیں کہ آیاتِ قرآنی میں بہ کثرت ان کے منازل ومحلات کا ذکر آیا ہے۔ شارح موصوف نے اور جو کچھ کیا تو کیا ہی، امام بخاری کے باب/ترجمۃ الباب کو بھی نظر انداز کردیا، جو واضح طور سے عمل کے ارادہ اور اس پر رحمت کی بات کہتا ہے، یعنی جو شخص عمل صالح کا ارادہ کرے اور اس پر عمل کی مداومت کرتا رہے اس کا عمل اسے جنت میں داخل کرے گا۔ بخاری میں عمل کے داخلِ جنت نہ کرنے کی اور بھی احادیث ہیں، مثلاً: ۶۴۶۳ :لن یُنجی أحداً منکم عملُه ۔۔۔۔ ۶۴۶۴ ''۔۔۔۔واعلموا ان لن یُدخلکم عملُه الجنّةَ، وأن أحبَّ الأعمالِ أدومُها وان قلّ:'' ۶۴۶۷ ''۔۔۔۔ فانّه لا یُد خلُ أحداً الجنّةَ عملُه۔۔۔۔''۔

حافظ ابن الملقنؒ کے شاگرد رشید حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اول حدیث بخاری کی شرح میں نجات وغیرہ کی بحث اور دوسری کتب حدیث میں ان کی روایات/احادیث کے بعد سورۂ زخرف: ۷۲ کا حاصل یہ بھی بتایا ہے کہ آیت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جنت کے منازل اعمال سے ملیں گے، کیوں کہ درجاتِ جنت بھی اعمال کے تفاوت کے مطابق مختلف ہوتے ہیں:

> ما محصله أن تُحمل الآیة علی أن الجنّة تنال المنازل فیها بالأعمال، فانّ درجات الجنة متفاوة بحسب تفاوت الأعمال وأن یُحمل الحدیث علی دخول الجنة والخلود فیها۔

اس جواب پر سورۂ نحل: ۳۲ سے یہ جواب الجواب دیا گیا ہے کہ جنت میں داخلہ بھی اعمال کے سبب ہوگا۔ اصل جواب بہت دل چسپ ہے:

> فصرّح بأن دخول الجنة أیضاً بالأعمال، وأجاب بأنّه مجمل بیّنه الحدیث ۔ التقدیر: أدخلوا منازل الجنّة وقصورها بما کنتم تعملون، ولیس المراد بذلک أصل الدخول۔

یعنی اصل دخولِ جنت کا معاملہ نہیں، وہ تو اعمال ہی کے سبب ہوگا۔ اصل معاملہ جنت کے درجات اور محلوں میں اعمال کے بدلے دخول وخلود کا ہے۔

اس کے بعد ایک مفصل بحث عمل اور اس کے نتیجہ و جزا میں رحمتِ الٰہی سے بہرہ مندی پر کی ہے اور مختلف علماء وشارحین کی تشریحات پیش کی ہیں۔ طاعت وعمل کی توفیق بھی رحمتِ الٰہی ہے اور عمل اور رحمتِ ربانی اور فضل الٰہی بھی اسی عمل سے ملتا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ کے چار جوابات بھی اسی معنیٰ کے گرد گھومتے ہیں۔ ان تمام کا اور بعض کی بحثوں کا ماحصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی توفیق اور اس پر عمل اور اس کی مداومت سب کی سب رحمتِ الٰہی سے ہوتی ہے، لہٰذا عمل صالح دخول وخلود جنت اور اس کے منازل و محلات و درجات کا باعث بن جاتا ہے (فتح الباری، ۱۱/ ۳۵۵–۳۶۳؛ دارالسلام ریاض/ دارالفیحاء، دمشق ۱۹۹۷ء)۔

اس بحث میں شارحین ومفسرین بالعموم مومن کے ایمان وعمل صالح کے باب میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی کو ایمان وعمل صالح سے جدا کر کے ان کو مجرد عمل انسان بناتے ہیں اور پھر اسے باعثِ جزا نہیں سمجھتے، جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے بھی ایمان وعمل صالح کے ثمراتِ عالیہ کا اعتراف و اقرار کیا ہے اور ان کو باعث بہبود دنیا اور نجات اخروی ہی نہیں قرار دیا، بلکہ جنت کے درجاتِ عالیہ کا ان درجاتِ اعمال کے مطابق سزاوار قرار دیا۔

اعمال کی آیاتِ کریمہ سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ اس کے مختلف صیغوں کا ایک عام تجزیہ بتاتا ہے کہ عمل صالح ایمان کے ساتھ جنت میں داخلہ، خلود، رضائے الٰہی وغیرہ کا مستحق بناتا ہے۔ فوآد عبدالباقی کی المعجم المفہرس میں ایسی آیات کریمہ کی تعداد سیکڑوں میں پہنچتی ہے۔ عمل (۱۹) عملوا (۷۳) تعمل (۲) تعملون (۸۳) یعمل (۱۴) یعملون (۵٦) اعمل (۲) اعملوا (۱۹)، عمل/ العمل (۹) عملًا (۸) عملکم (۴) عملہ (۵) اعمالکم (۹) اعمالہم (۲۷) عامل (۴) عاملون (۴) العملین (۴) وغیرہ۔ ان میں سے بیش تر میں اعمال صالحہ سے جزا اور اعمال سیئہ سے سزا کا تلازم ہے۔

اعمالِ صالحہ کی جزا۔ رحمتِ الٰہی کی عطا

رحمتِ الٰہی کے اعمال صالحہ سے وابستہ ہونے کا تلازم مذکورہ آیات کریمہ میں سے بیش تر میں آچکا ہے۔ وہ یہ حقیقت ثابت کرنے میں واضح برہان ہے کہ نیک اعمال سے رحمت الٰہی ملتی ہے، بلکہ رحمت الٰہی ہی ان کی جزا ہے۔ رحمت الٰہی میں اعمال صالحہ کی وجہ سے داخلہ کی دوسری آیات کریمہ بھی بہت ہیں اور ان کے مختلف صیغے ہیں، جیسے ترحمون (۸)۔ بیش تر آیات میں کتاب و رسول کی پیروی، قراءتِ قرآن کا استماع، نماز اور زکوٰۃ کی ادائی، استغفار، تقویٰ، برادروں میں صلح صفائی جیسے اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً ملاحظہ کیجیے: آل عمران، ۲۲: الانعام: ۱۵۵: الاعراف: ۶۲، ۲۰۴ ؛ النور ۵۶؛ النمل: ۴۶؛ یٰس: ۴۵: الحجرات: ۱۰۔

رحمۃ کے خاص صیغے کی تعداد ۷۹ ہے اور اس میں خاص رحمت الٰہی میں داخل کرنے یا اس سے بہرہ ور کرنے کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے، جیسے البقرۃ: ۱۵۷؛ ۱۷۸، ۲۱۸؛ آل عمران: ۱۵۷ وغیرہ: النساء: ۹۶؛ ۱۷۵ وغیرہ۔ ان میں وہ آیات کریمہ بہت اہم ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے اور اس کی رحمت بیکراں ہے، جیسے الانعام: ۱۲، ۵۴؛ ۱۴۴، ۱۴۷ وغیرہ: الاعراف: ۴۹، ۵۲، ۵۶: التوبہ: ۲۱ وغیرہ۔ بہت سی دوسری آیات بھی ہیں جیسے الاعراف: ۱۵۶ وغیرہ۔

رحمۃ (۲۵) کی ترکیب قرآنی میں ایک جہت تو یہ ملتی ہے کہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے، یا خاص کرتا ہے، جیسے البقرۃ: ۱۰۵ آل عمران: ۷۴، الشوریٰ: ۸، الفتح: ۸: الدہر: ۳۱، وغیرہ۔

ایمان و عمل صالح کی بنا پر رحمت میں داخل کرنے کی بشارت اور وعدۂ الٰہی کی ضمانت کا ذکر پیچھے میں گزر چکا ہے۔ صرف ایک سورۃ الحدید: ۲۸ کا ذکر مزید تصریح کے لیے پیش ہے: اتَّقُوا اللّٰہَ وَ آمِنُوا بِرَسُولِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ۔ یعنی تقویٰ الٰہی اور ایمان بالرسول کے عوض وہ اپنی رحمت کے دو گنے اجر سے نوازے گا۔ قرآن مجید میں ایمان و عمل صالح کو رحمتِ الٰہی کی عطا کا پروانہ کہا گیا ہے۔ وہ عاملین، محسنین کو ان کے درجات عمل و

ایمان کے مطابق ملے گا۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی بھی اس باب میں ایمان و عمل صالح کی ضمانتیں ہیں۔ اس کو شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ بندہ اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آخر میں حدیثِ نبوی سے صرف چند کا ذکر، جو مقالہ نگار نے نہیں کیا اور جو رحمتِ الٰہی اور جنت میں داخلہ کی ضمانت دیتی ہیں: ان میں سے اول وہ احادیث ہیں جن میں صرف ایمان پر جنت کی عطا کا ذکر ہے: حدیثِ مسلم حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک باغ میں ان سے فرمایا: ''یہ میری جوتیاں لے جاؤ اور باغ کے باہر جو شخص ملے اور وہ اللہ پر ایمان کی گواہی دیتا ہو، اسے جنت کی بشارت دے دو۔'' حضرت ابوہریرہؓ باہر نکلے ہی تھے کہ حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوگئی اور ان کو یہ خوش خبری ملی تو راوی کریم کو واپس خدمتِ نبوی میں لائے اور عرض کیا کہ اس کا اعلان عام نہ فرمائیں کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے عمل نہ کریں گے، چنانچہ آپ نے عام اعلان روک دیا۔ (مسلم، کتاب الایمان، من اتقی اللہ بالایمان دخل الجنۃ)۔ یہاں تو صرف ایمان ہی کو جنت میں داخلہ کے لیے کافی سمجھا گیا اور مصلحت سے اس کا اعلانِ عام روکا گیا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیثِ نبوی میں ایمان و عمل صالح کو ملا کر جنت میں داخلہ کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہی ضمانت رحمتِ الٰہی کی بھی ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی توفیق بھی رحمتِ الٰہی ہے کہ بقول حضرت رابعہ بصریؒ اللہ تعالیٰ اپنے مومن و تائب بندے کو بخشنا چاہتا ہے، اس لیے وہ اسے ایمان، عمل صالح اور توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ حدیثوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندے کو اپنے ایمان و عمل صالح پر تکیہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ ہمیشہ اللہ کی رحمت طلب کرنی چاہیے۔

سائنس اور ٹکنالوجی۔ اسلامی نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد رفعت

سائنس وہ علم ہے جو انسان حواس اور عقل کے ذریعے سے کائنات کی اشیاء کے بارے میں حاصل کرتا ہے۔ یہ علم اپنی اصطلاحات اور تصورات کی تخلیق میں اس تصورِ کائنات کے تابع ہوتا ہے جسے محقق نے شعوری یا لاشعوری طور پر اپنایا ہو۔ علم کے حصول کا طریقِ کار اسلامی تہذیب کے تحت لازماً آفاقی اخلاقی حدود کا پابند ہوتا ہے۔ سائنسی سرگرمی محرکات، ~~حصولِ عرفان، فضلِ الٰہی~~ کی طلب اور شکر کے جذبات ہیں۔ اس کے برعکس جاہلی تہذیب کے تحت سائنسی سرگرمی اخلاقی حدود کو یکسر نظر انداز کرتی ہے اور تکبر کے جذبے کو فروغ دیتی ہے۔ یہی فرق اسلامی اور جاہلی تہذیب کے تحت ایجاد کی جانے والی ٹکنالوجی کے مابین ہے۔ عالم انسانیت کو سائنس اور ٹکنالوجی کے موجودہ فاسد روپ سے آزاد کرانے کے لیے ان سرگرمیوں کو معروف کا پابند بنانا ناگزیر ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی

معاشرے پر گفتگو کے سیاق میں یہ دونوں سماج سامنے رہنے چاہئیں۔ ایک خود مسلمانوں کا سماج، جس میں قیامِ دین کی عملی کوشش ہونی چاہیے (خواہ مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہو یا نہ ہو)، دوسرا سماج تمام انسانوں کا ہے، جس میں معروف کی ترویج اور منکر کا ازالہ مطلوب ہے۔ اس کے لیے مسلمانوں کو قولی و عملی کوششیں کرنی چاہئیں۔ معاشرے کی ہمہ گیر درستی و اصلاح میں سائنس اور ٹکنالوجی کا صحیح فہم، ان کے سلسلے میں درست رویہ اور ٹکنالوجی کا موزوں انطباق و مفید استعمال شامل ہیں۔ مسلمان معاشرے میں سائنس اور ٹکنالوجی کی سرگرمیوں کی مطلوبہ اصلاح، اسلامی قدروں کے فہم کی اساس پر انجام دی جائے گی۔ وسیع تر انسانی معاشرے میں سائنس اور ٹکنالوجی کی اصلاح کے

معنیٰ ان کو معروف کا پابند بنانے کے ہیں۔

سائنس کا مفہوم

سائنس کے معنیٰ انسانی علم کے اس حصے کے ہیں جس کا موضوع زمین اور آسمان کی اشیاء ہیں اور جس کے حصول کے ذرائع انسان کے پاس موجود ہیں، یعنی حواس اور عقل۔ اشیاء سے مراد وہ مخلوقات ہیں جن کے شعور و ارادے کی سطح انسانوں، جنوں اور فرشتوں سے کم ہے، یعنی وہ اپنے کاموں کے سلسلے میں محض احکامِ تکوینی کے پابند ہیں، اس لیے جواب دہ بھی نہیں ہیں۔ زمین پر پائی جانے والی ان اشیاء سے انسان براہِ راست واقف ہے، یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات۔ ان اشیاء کے خواص اور کاموں سے انسان اپنے مشاہدے کے ذریعے سے واقف ہوسکتا ہے اور حاصل کردہ معلومات کو عقل کے ذریعے ترتیب دے سکتا ہے۔ ان معلومات کے مجموعے کا نام سائنس ہے۔ یہ انسانی علم کا ایک اہم حصہ ہے۔

وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِکَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً (بنی اسرائیل:۳۶)

"اور اس چیز کی پیروی نہ کرو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل (فؤاد) سب کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔"

یہ آیت اصولی طور پر اس امر کی توثیق کرتی ہے کہ حواس (کان، آنکھ) اور عقل (فؤاد) سے اشیاء کے بارے میں علم حاصل ہوسکتا ہے اور وہ علم قابلِ قدر ہے۔ (چنانچہ کہا گیا کہ جس چیز کا علم نہ ہو، اس کی پیروی نہ کرو)۔ اگر حواس و عقل کی ان نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھایا جائے یا ان کا درست استعمال نہ کیا جائے تو اللہ کے سامنے باز پرس ہوگی، وہاں گرفت کا اندیشہ ہے۔

محرکات

سائنس (یعنی کائنات کے علم) کے حصول کے محرکات درج ذیل ہیں:

(الف) اشیاء آیاتِ الٰہی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان پر غور (جس کے لیے ان

کے بارے میں علم ضروری ہے) ایمان کی پختگی کا ذریعہ بنتا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (الرعد:۴)

''اور زمین میں کھیت ہیں مختلف، ایک دوسرے سے متصل اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں اور کھجور ہیں۔ ایک کی جڑ دوسرے سے ملی ہوئی اور بعض الگ الگ۔ ان کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ اور ہم ان میں سے بعض کو بعض سے مزے میں بڑھا دیتے ہیں۔ ان چیزوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں (عقل سے کام لیتے ہیں)۔''

(ب) اشیاء کے مفید استعمال کے لیے ان کے خواص اور ان سے متعلق قوانین فطرت کا علم درکار ہے:

(i) قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ

(یوسف:۵۵)

''یوسف نے بادشاہِ مصر سے کہا: زمین کے خزانے میرے سپرد کرو۔ میں نگہبان ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔''

(ii) قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (نمل:۴۰)

''سلیمان کے ارشاد پر ان کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے، جس کے پاس کتاب کا علم تھا، کہا کہ میں اس (ملکہ کے تخت) کو آپ کے پاس چشمِ زدن میں لائے دیتا ہوں۔ پھر جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس حاضر دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو کوئی شکر کرے تو

وہ اپنے نفس کے (فائدے کے) لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور کریم ہے۔"

(iii) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَالْقَمَرَ نُوراً وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ إِلاَّ بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الآیٰتِ لِقَوْمٍ یَعْلَمُونَ (یونس:۵)

"وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا اور مقرر کیں اس کے لیے منزلیں، تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جانو۔ اللہ نے یہ یوں ہی نہیں بنایا مگر حق کے ساتھ۔ وہ جاننے والوں کے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے۔"

(iv) وَأَلْقَی فِیْ الأَرْضِ رَوَاسِیَ أَن تَمِیْدَ بِکُمْ وَأَنْهَاراً وَسُبُلاً لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُونَ۔ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُونَ (النحل:۱۵-۱۶)

"اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیے، تا کہ وہ تم کو لے کر جھک نہ جائے اور اس نے دریا اور راستے بنائے، تا کہ تم راستہ پاؤ اور اس نے علامتیں بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ پاتے ہیں۔"

(ج) علم سے انسان کا مرتبہ بڑھتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے:

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوُودَ وَقَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّیْرِ وَأُوتِیْنَا مِن کُلِّ شَیْءٍ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ (نمل:۱۶)

"اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا۔ اس نے کہا: اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم کو ہر چیز میں سے علم دیا گیا ہے۔ یہ بے شک کھلا ہوا فضل ہے۔"

کسی کو اللہ کا یہ فضل عطا ہو تو اسے شکر کرنا چاہیے:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِکاً مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِیْ أَنْ أَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلَی وَالِدَیَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ (نمل:۱۹)

"سلیمان چیونٹی کی بات سن کر مسکرایا اور ہنس دیا اور اس نے کہا: اے

رب! مجھے توفیق دے کہ تیرے احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر
اور میرے والدین پر کیا ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو پسند
کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔''

جاہلی تہذیب کا مزاج

مندرجہ بالا صالح محرکات کے برعکس جاہلیتِ خاصہ سائنس کے علم کے حصول کے محرکات درج ذیل ہیں:

(الف) فطرت پر فتح حاصل کرنے کی خواہش۔

(ب) اشیاء کے بارے میں اس علم کا حصول جو کسی قوم، گروہ، ملک یا طبقے کو دوسروں پر برتری دلا سکے، یا مادی منفعت کا ذریعہ بنے۔

(ج) دوسرے انسانوں سے اپنے کو افضل ثابت کرنا (اپنی صلاحیت کے سبب، نہ کہ اللہ کے فضل کی بنا پر)۔

ان محرکات کے تحت فروغ پانے والی سائنس دنیا میں فساد پھیلاتی ہے۔

ٹکنالوجی کا مفہوم

سائنس کے منظم استعمال کے لیے جو آلات تیار کیے جاتے ہیں ان کی فراہمی کو ٹکنالوجی کہا جاتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح 'تسخیر' کے معنیٰ میں یہ بات شامل ہے کہ اشیائِ کائنات میں بعض ایسی ہیں جن سے انسان (قوانینِ فطرت کے دائرے میں) حسبِ منشا خدمت لے سکتا ہے۔ اس خدمت کو لینے کے لیے جو آلات اور مشینیں انسان تیار کرے وہ ٹکنالوجی کہلاتی ہیں۔ شکر کے جذبے کے ساتھ الٰہی حدود کے دائرے کے اندر ٹکنالوجی کی ایجاد اور استعمال جائز اور مستحسن ہے۔

اللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن
فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (جاثیہ:
۱۲-۱۳)

”اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کردیا کہ اس میں اس کے امر سے جہاز چلیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار بنو۔ اور اس نے اپنی جانب سے آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کو تمہارے لیے مسخر کردیا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

آیاتِ بالا اسلامی مزاج کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کے برعکس جاہلی مزاج میں اخلاقی حدود کو بہ مشکل تسلیم کیا جاتا ہے۔

آج کا غالب رجحان یہ ہے کہ ٹکنالوجی کو آزاد چھوڑ دیا جائے، یا سرمایہ دار کے کاروباری مفادات کا تابع بنادیا جائے۔ اسی طرح جذبۂ شکر کے بجائے تکبر کا مزاج محققین و موجدین پر غالب ہے اور ٹکنالوجی کی ترقی کو فطرت پر انسان کی فتح کی علامت سمجھ لیا گیا ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کو خدا پرستانہ تصور کائنات، مسلّم اخلاقی اقدار اور صحت مند محرکات کے تحت لانا ضروری ہے۔ یہ کام اسلامی تہذیب کرتی ہے اور اسلامی تہذیب کے تحت سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی اس فساد سے عالم انسانیت کو نجات دلاسکتی ہے، جس سے جاہلی تہذیب نے اسے دوچار کر رکھا ہے۔

اسلام عصمتِ نسواں کا محافظ

ڈاکٹر محمد رضی اسلام ندوی

سماج میں بدکاری اور عصمت دری کے واقعات کثرت سے پیش آنے لگے ہیں اور لاکھ کوششوں کے باوجود، نہ صرف یہ کہ وہ کنٹرول میں نہیں آرہے ہیں، بلکہ ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی عفت و عصمت کا کیا تصور پیش کیا ہے؟ سماج کو پاکیزہ رکھنے کے لیے اس نے کیا احتیاطی تدابیر بتائی ہیں؟ اور بدکاری کرنے والوں کے لیے کتنے سخت قوانین وضع کیے ہیں؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عصمتِ نسواں کی حفاظت حقیقی طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

صفحات: ۳۲ قیمت: ۱۶

اسلام میں کفالتِ عامّہ کا تصور

مولانا مفتی بخت شید

انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور سے دو قسم کی ذمہ داریاں اور فرائض عائد کیے ہیں: ایک قسم کو حقوق اللہ کا نام دیا جاتا ہے اور دوسری قسم کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ حقوق العباد میں وہ تمام امور داخل ہیں جن کا تعلق براہِ راست انسانوں سے ہو، جیسے والدین کی اطاعت، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، کسی کو تکلیف نہ دینا، کسی پر ظلم اور ناانصافی نہ کرنا، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنا وغیرہ۔ اس قسم کے احکام کا مقصد دوسروں کی خدمت، ان کی راحت رسانی اور دل جوئی ہے۔ اس کے نتیجے میں مثالی اور پر امن معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور لوگوں کی زندگی امن وسکون کے ساتھ گزرتی ہے۔ یہ سب خدمتِ خلق کی مختلف شکلیں ہیں، جن میں کفالت اور دوسروں کی ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہے، تاہم یہ واضح رہے کہ کفالتِ عامہ بنیادی طور پر ریاست اور حکومت کی ذمہ داری ہے اور وہی اس کو بطریقِ احسن انجام دے سکتی ہے۔ عوامی سطح پر اس کے لیے ضرور کاوشیں ہونی چاہئیں اور اس کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے جانے چاہئیں، مگر بہر حال اس کا دائرہ کار محدود ہی ہوگا۔

کفالت عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ 'کَفَلَ' کا مصدر ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی کا ضامن بننا، ذمہ داری اٹھانا اور اخراجات برداشت کرنا۔ اس سے اسمِ فاعل 'کافل' آتا ہے، جس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے محمد بن احمد ہروی رقم طراز ہیں:

أما الكافل فهو الذي كفل إنساناً يعو له و ينفق عليه [۱]

(کافل اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے انسان کے اخراجات برداشت کرے اور اس پر مال خرچ کرے۔)

کفالتِ عامہ کا حاصل یہ ہے کہ ریاست تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات (خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، علاج معالجہ اور روزگار وغیرہ) پوری کرے، کیوں کہ بنیادی طور پر یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی ضروریات کی فراہمی کے لیے مناسب منصوبہ بندی کرے۔ تاہم واضح رہے کہ حاجت مندوں اور مستحقین کی کفالت صرف ریاست کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ عام لوگوں پر بھی اپنی حسبِ استطاعت لازم ہے کہ ان کی دادرسی کے لیے اقدامات کریں۔

کفالتِ عامہ اور تعلیماتِ نبویؐ

اسلام اعتدال، اخوت و مساوات اور اجتماعیت کا مزاج رکھتا ہے۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ میں انفرادی مفادات پر قومی اور اجتماعی مفادات کو ترجیح دی گئی ہے اور بحیثیتِ انسان تمام لوگوں کو برابر قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنا دیے، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔)

اس آیتِ کریمہ نے انسانی حیثیت سے لوگوں کے درمیان مساوات کا اعلان کر دیا اور بزرگی و برتری کے معیار کو واضح فرما دیا۔ کفالت اور دوسروں کی دادرسی کا مسئلہ بھی انسانی مساوات سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اسلام نے اس معاملے میں جملہ شہریوں کو مساوی حیثیت دی ہے، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ اس نے کہا: یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا: کس چیز نے آپ کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: جزیہ، ضرورت اور بڑھاپے نے۔ حضرت عمرؓ اس کو

ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور وہاں سے کچھ سامان اس کو دیا، اس کے بعد بیت المال کے خازن کو لکھا:

أنظر هذا و ضرباء ه، فو اللّٰہ ما أنصفناه اذ أكلنا شبيبته، ثم نخذله عندالهرم ۲

(اس شخص کو اور اس جیسے دوسروں کو دیکھو۔ اللہ کی قسم! یہ بڑی ناانصافی ہے کہ ہم ان کی جوانی [کی کمائی کو ٹیکس کے طور پر] کھا گئے اور اب بڑھاپے میں انہیں ذلیل کریں ۔[ان کی ضروریات کا بندوبست نہ کریں،جس کے نتیجے میں یہ بھیک مانگنے پر مجبور ہوں])

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے تمام بوڑھوں سے جزیہ (ٹیکس) معاف کر دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ کفالتِ عامہ میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شامل ہیں اور اپنا پورا حق رکھتے ہیں۔اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بغیر کسی تفریق کے شہریوں کی کفالت کرے اور وہ مجبور ہوں تو ان کی ضروریات پوری کرے ۔

کفالت کی قسمیں

کفالتِ عامہ کی مختلف صورتیں ہیں،مگر بنیادی طور پر اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ۱۔انفرادی کفالت (عوامی سطح پر کفالت) ۲۔اجتماعی کفالت (ریاستی سطح پر کفالتِ عامہ)

ذیل میں ان دونوں قسموں کی کچھ تفصیل تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں پیش کی جائے گی:

۱۔انفرادی کفالت

قرآن وسنت کی تعلیمات کی رو سے نہ صرف اسلامی ریاست اور حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کی کفالت کا انتظام کریں، بلکہ انفرادی طور سے عام لوگوں پر بھی اپنی استطاعت کے مطابق یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حاجت مندوں کی ضروریات پوری کریں اور ان کے لیے کھانے پینے، رہائش و دیگر ضروریات کا انتظام

کریں۔ اسلام میں انفرادی کفالت کا تصور غیر مبہم اور واضح ہے۔ قرآن کریم نے ضرورت مندوں، یتیموں اور مساکین پر مال خرچ کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ (البقرۃ: ۲۷۱)

(اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور فقراء (محتاجوں) تک پہنچا دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے بعض گناہوں کو (صدقات کی بدولت) معاف کرتا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے انفرادی کفالت کے تصور کو اپنی تعلیمات میں بخوبی واضح کیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد مبارک ہے:

ليس المؤمن الذی يبيت و جاره إلى جنبه جائع [۳]

(وہ شخص مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہے۔)

قبیلۂ اشعر والے تعاونِ باہمی کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اجتماعی فضا قائم کرتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل کی تعریف فرمائی ہے، ارشاد ہے:

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة، جمعوا ما كان عندهم في ثوبٍ واحدٍ، ثم اقتسموه بينهم فی إناءٍ واحدٍ بالسوية، فهم مني وأنا منهم۔ [۴]

(اشعر قبیلے والوں کا کھانا جب دورانِ جنگ ختم ہو جائے، یا مدینہ منورہ میں قیام کے دوران کم پڑ جائے تو ان کے پاس جو کچھ کھانے پینے کا سامان ہوتا ہے اس کو ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں، پھر ایک برتن کے ذریعے اس کو باہم برابر برابر تقسیم کرتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔)

رسول اللہ ﷺ کو قبیلۂ اشعر کا یہ طریقۂ کفالت اور طرزِ عمل اتنا پسند آیا کہ

آپؐ نے خود کو ان میں کا ایک فرد قرار دیا۔ اس سے اجتماعی کفالت اور باہمی تعاون کی اہمیت وضرورت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے اور عوامی سطح پر کفالتِ عامہ کے لیے کی جانے والی کاوشوں کا طریقۂ کار بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس اہم ذمہ داری کی انجام دہی کے لیے باقاعدہ اجتماعی شکل ترتیب دیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مدد آسانی سے کی جاسکے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے یتیموں، مسکینوں، بیواؤں، ضعیفوں اور حاجت مندوں کی کفالت اور حاجت روائی حقوق العباد کا عظیم الشان حصہ اور دنیا و آخرت کی سعادت اور ترقی و کامیابی کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کی کفالت کو اپنے قرب اور عظیم فضیلت والا عمل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا ,وأشار بالسبّابة والوسطىٰ، وفرّج بينهما شيئاً ۵

(میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان میں تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔)

ایک دوسری روایت میں آپؐ سے یہ تفصیل بھی منقول ہے کہ یتیم چاہے اس کا رشتہ دار ہو یا کوئی غیر۔ ۶ یعنی اگر یتیم رشتے دار ہو تب بھی اس کی کفالت اور ضروریات پوری کرنے پر آخرت میں رسول اللہ ﷺ کا قرب اور پڑوس نصیب ہوگا۔ اسی طرح آپؐ نے بیواؤں اور مسکینوں کی کفالت کو جہاد اور مسلسل قیام اللیل اور روزے کے برابر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله، وأحسبه قال: وكالقائم لا يفتر، وكالصائم لا يفطر ۷

(بیوہ عورت اور مسکین کی کفالت کرنے والا اور ان کی ضروریات پوری کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہو، راتوں کو مسلسل عبادت کرتا ہو اور دن بھر مسلسل روزے رکھتا ہو۔)

غور کیا جائے تو یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ حاجت مندوں کی کفالت اور ان کی

حاجت روائی پر کتنے بڑے بڑے اور پر مشقت اعمال کا اجر ملتا ہے۔ اس سے کفالتِ عامہ کی فضیلت اور اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے۔

انفرادی کفالتِ عامہ کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً پڑوسی کی مدد، یتیم، مسکین اور بیوہ کی کفالت، مہمان نوازی، مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی اور حاجت مندوں کی حاجات کی تکمیل وغیرہ۔

اجتماعی کفالت

اجتماعی کفالت سے مراد یہ ہے کہ ریاستی سطح پر عوام کی ضروریات و حاجات پوری کی جائیں۔ تمام بنیادی ضروریات کی فراہمی بنیادی طور پر ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس میں خوراک، لباس، تعلیم اور صحت وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے حکم رانی ایک عظیم ذمہ داری اور کفالتِ عامہ و خدمتِ خلق کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لیے اسلام نے اس منصب کو کفالتِ عامہ کے لیے استعمال کرنے اور اس کے ذریعے لوگوں کی خدمت کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کفالتِ عامہ کو اربابِ اقتدار کی ذمہ داری قرار دیا ہے اور اس میں کوتاہی کرنے پر سخت وعید سنائی ہے۔ آپ ؐ کا ارشاد ہے:

ما من عبد استرعاه اللّٰہ رعیۃً، فلم یحطھا بنصیحۃ، إلا لم یجد رائحۃ الجنۃ [8]

(جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے رعایا کا حکم راں بنایا اور اس نے ان کے ساتھ پوری خیر خواہی کا معاملہ نہ کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔)

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق ؓ کو عوام اور رعایا کی کفالت اور ضروریات کے انتظام کی اتنی فکر تھی کہ انسان تو درکنار جانوروں کے بارے میں بھی فکر مند رہتے تھے۔ آپ کا ایک تاریخی جملہ ابن سعد نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

لو مات جمل ضیاعاً علی شطّ الفرات لخشیت أن یسألني اللّٰہ عنه [9]

(اگر کوئی بے سہارا اونٹ دریائے فرات کے ساحل پر مر جائے تو مجھے
اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔)

اجتماعی کفالت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات میں کئی اہم اقدامات کا تذکرہ ملتا ہے، جن پر عمل کرنے سے تمام باشندگانِ ملک کی کفالت کا عمدہ انتظام ہو سکتا ہے۔ ذیل میں چند اہم اقدامات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

الف۔ مواخات

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد وہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو ابتداء میں مالی اور معاشی مسائل درپیش تھے۔ مکہ مکرمہ سے بہت بڑی تعداد میں مہاجرین مدینہ آ چکے تھے، جن کی کفالت کے لیے وافر مقدار میں وسائل درکار تھے، جب کہ اس نئی ریاست کے پاس وافر وسائل تھے نہ مدینہ منورہ کے باشندوں کے پاس اتنا مال تھا کہ مہاجرین کی کفالت کا انتظام بہ آسانی کر سکتے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی کفالت کے لیے ایک مثالی اور معیاری نظام کی بنیاد رکھی، وہ ہے مواخات۔ آپؐ نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی قرار دیا۔ اس کی بنیاد پر انصاری (مدینہ منورہ کے مقیم مسلمان) کے ذمے مہاجر کے اخراجات کی فراہمی لازم قرار دی۔ اس طرح بے سر و سامانی کے عالم میں بہت سے مہاجرین کی کفالت کا انتظام ہو گیا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کرائی۔ آپؐ نے انھیں حق و غم خواری اور ہم دردی کے معاملے میں بھائی بھائی قرار دیا۔" ۱۰؎

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے کفالتِ عامہ کے لیے ایک بہترین اور مثالی نظام قائم کیا، جس کا تصور اسلام سے پہلے نہیں ملتا۔ اس کی رو سے اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ وہ اپنے ماتحتوں اور رعایا کو اخوت اور باہمی تعاون کی تعلیم دے اور انہیں اسلامی بھائی چارے کے اصولوں کی اہمیت سے آگاہ کرے اور انھیں حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر ممکن اقدام پر آمادہ کرے۔

ب۔ بیت المال کا قیام

اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مستحکم اور مضبوط اسلامی ریاست کے لیے بیت المال کا قیام از حد ضروری ہے، جہاں سے لوگوں کی کفالت کا انتظام ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کر کے بیواؤں، یتیموں، ضرورت مندوں اور معذوروں کے لیے کھانے پینے، لباس اور رہائش وغیرہ جملہ ضروریات کی دست یابی کا بندوبست فرمایا۔ اس کی افادیت اتنی زیادہ تھی کہ قرض دار بھی بوقتِ ضرورت اس کا رخ کرتے اور ممکنہ حد تک ان کے قرضوں کی ادائیگی کا انتظام کیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں آپ خود بیت المال کی نگرانی فرماتے اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا بندوبست کرتے۔ بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں اسے استحکام حاصل ہوا اور ترقی دی گئی۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

> ”سب سے پہلے بیت المال حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مقرر کیا، چنانچہ سعد بن ابوخیثمہ وغیرہ سے روایت کی گئی ہے کہ صدیق اکبرؓ نے موضع سنح میں بیت المال بنایا تھا، مگر اس کے لیے کوئی نگہبان مقرر نہیں تھا۔ آپ سے کہا گیا کہ اس پر کوئی نگہبان کیوں مقرر نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: نگہبان کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں قفل لگا ہوا ہے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جو مال اس میں ہوتا لوگوں کو تقسیم کر دیا کرتے، حتیٰ کہ وہ خالی ہو جاتا۔ جو مال آپ کے پاس آتا آپ اسے غربا میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور تقسیم کرنے میں ہر شخص کو برابر دیا کرتے تھے۔ اسی مال سے آپ اونٹ، گھوڑے اور اوزار خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم فرماتے۔“[۱۱]

کفالتِ عامہ کی خاطر بیت المال کا قیام از حد ضروری ہے، جہاں منصفانہ طریقے سے قرض داروں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، معذوروں اور دیگر ضرورت مندوں کی حاجات پوری کرنے کا بہتر انتظام ہو، تاکہ محتاجوں کو اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لیے بھیک مانگنی پڑے نہ کسی کے سامنے ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے، بلکہ عزتِ نفس کے ساتھ بروقت رعایا کی جملہ بنیادی ضروریات: کھانا پینا، رہائش، علاج معالجہ وغیرہ پوری

ہوں۔اگر اسلامی اصولوں کے مطابق بیت المال قائم ہو جائے تو معاشرے سے غربت اور فقر و فاقہ کا خاتمہ بہت جلدی اور آسانی سے ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں معیاری اور منصفانہ نظام قائم ہونے کی وجہ سے معاشرے سے غربت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔زید بن خطاب کی اولاد میں سے ایک شخص کا بیان ہے:

> ''حضرت عمر بن عبد العزیزؒ صرف ڈھائی سال خلیفہ رہے۔اتنی مختصر مدت میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ ایک شخص ہمارے پاس بھاری رقم لاتا اور کہتا کہ آپ کی نظر میں جو ضرورت مند ہوں ان کو یہ مال دے دیجیے، بڑی دوڑ دھوپ اور تلاش کے بعد بھی ہمیں کوئی آدمی ایسا نہ ملتا جسے یہ مال دیا جاسکے، بالآخر اسے وہ مال واپس لے جانا پڑتا۔'' ۱۲؎

مسلمان حکم رانوں پر لازم ہے کہ وہ باشندگانِ ملک کی ضروریات اور مسائل حل کرنے کے لیے معیاری اور شفاف بیت المال کو یقینی بنائیں اور اس کی ذمہ داری ایسے افراد کے سپرد کریں جو دیانت دار، انصاف پسند اور باکردار ہوں، تاکہ لوگوں کی بنیادی ضروریات کے حل میں انہیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ملک وقوم ترقی وخوش حالی کی منزلیں طے کرسکیں۔

ج۔سرکاری سطح پر زکوٰۃ کی وصولی وتقسیم

اسلام نے اجتماعی کفالت کے لیے ایک اور بہترین اور مثالی نظام تشکیل دیا ہے، وہ ہے نظامِ زکوٰۃ،جس کے تحت حکومت کے فرائض میں یہ امر شامل ہے کہ صاحبِ نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور مستحقین پر منصفانہ طریقے سے تقسیم کرے۔اگر یہ نظام صحیح طریقے سے رائج ہو تو پورے ملک میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں رہے گا جس کو اپنی کفالت کی فکر ہو اور نہ اس کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ

عَلَيْهِمْ (التوبۃ: ۱۰۳)

(ان کے اموال میں سے زکوٰۃ لے لیا کریں ،جس سے آپ انہیں پاک کریں اوران کودعادیں۔)

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں زکوٰۃ کی وصولی کے لیے باقاعدہ عاملین مقرر فرمائے تھے، جنہیں تفصیلی ہدایات دی جاتی تھیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جب حضرت انس بن مالک رضؓ کوزکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجنے لگے تو انہیں ایک تفصیلی ہدایت نامہ لکھ کردیا،جس میں دیگر تفصیلات کےعلاوہ یہ بھی درج تھا:

هذه فريضة الصدقة التى فرضها رسول الله صلى الله عليه وسلّم على المسلمين، التى أمر الله عزّ وجلّ بها نبيّه صلى الله عليه وسلّم، فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها، ومن سئل فوقها فلا يعطه ولا يؤخذ فى الصدقة هرمة، ولا ذات عوار من الغنم، ولا تيس الغنم، إلا أن يشاء المصّدق ۱۳؎

(یہ زکوٰۃ کا وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مسلمانوں پر مقرر فرمایا ہے۔مسلمانوں میں سے جس سے مقررہ طریقے کے مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے ، اس کو چاہیے کہ ادائیگی کرے اورجس سے حق سے زیادہ مقدار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ نہ دے۔زکوٰۃ میں زیادہ بوڑھی اورعیب والی بکری نہ لی جائے اور نہ بکرالیاجائے ،البتہ اگرمالک خودبکرادینا چاہےتوٹھیک ہے۔)

اس ہدایت نامہ سےزکوٰۃ کی وصولی کےمتعلق نہایت اہم اصول واضح ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ مقررہ مقدار سےزیادہ لینا جائزنہیں اوراس میں نہ ردی اور گھٹیا مال لینا جائز ہے نہ قیمتی اوراعلیٰ قسم کا، بلکہ متوسط اور درمیانی درجے کی چیززکوٰۃ میں لی جائے گی۔اس کے علاوہ رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے بارے میں یہ زرّیں اصول بھی ارشادفرمایا ہے کہ زکوٰۃ مال داروں سے وصول کی جائے گی اورغریبوں پر تقسیم کی جائے گی۔اس سے دولت کی منصفانہ تقسیم ہوگی، کفالتِ عامہ کا بہترین بندوبست ہو گا اورمعاشرے سےفقروافلاس اورطبقاتی تقسیم کا خاتمہ بھی ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں کو زکوٰۃ کی وصولی پر مامور فرماتے، زکوٰۃ کی وصولی کے بعد ان کا باقاعدہ احتساب فرماتے تھے، تاکہ زکوٰۃ کا نظام معیاری اور شفّاف رہے، کرپشن اور بدعنوانی کا سدِّ باب ہو سکے اور کسی طرح غفلت یا لاعلمی میں بھی کوتاہی نہ ہو۔ حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ ازد کے ابن اللتبیہ نامی شخص کو عامل مقرر فرمایا۔ جب وہ صدقات لے کر آیا تو اس نے کہا: ''یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔'' (یعنی کچھ چیزوں کے بارے میں کہا کہ یہ چیزیں مجھے لوگوں نے تحفے میں دی ہیں، یہ صدقات میں شامل نہیں) اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

فهلّا جلس في بيت أبيه أو بيت أمه، فينظر يهدى له أم لا؟ والذى نفسي بيده لا يأخذ أحد منه شيئاً إلا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبته، إن كان بعيراً له رغاء أو بقرة لها خوار أو شاة تيعر [۱۴]

(وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھا رہتا، پھر دیکھتا، اس کے پاس ہدیے آتے ہیں یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو شخص اس مال میں سے کوئی چیز ناحق لے گا، قیامت کے دن وہ اس چیز کو اپنی گردن پر لے کر آئے گا۔ اونٹ، گائے، یا بکری، سب اپنی اپنی آواز نکالتے ہوئے آئیں گے۔)

اس سے رسول اللہ ﷺ کے بہترین اور مثالی نظام کا پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے معاشرے سے کرپشن، بدعنوانی، بددیانتی، غربت اور فقر و فاقہ کے خاتمے کے لیے کتنے عمدہ اقدامات فرمائے تھے اور کفالتِ عامہ کا کتنا مثالی نظام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا؟! آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی کوئی ملک آپؐ کی قائم کردہ ریاست کی مثال پیش نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس ریاست کی بنیاد کسی مادی محرک پر نہیں، بلکہ اخلاص، ایثار، خوفِ خدا، خود احتسابی اور دوسروں کی غم خواری جیسے عمدہ اصولوں پر رکھی گئی تھی، جہاں ہر شخص دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا، خود بھوکا پیاسا رہنے اور دوسروں کو کھلانے کا متمنی ہوتا تھا، اپنا مال و متاع دوسروں پر خرچ کرنے کو سعادت اور خوش قسمتی سمجھتا تھا اور دوسروں کی حاجت روائی کو اپنا بنیادی اور اہم فریضہ خیال کرتا تھا۔ آج

مسلمانوں کو اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے ملک وملت کے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں، دوسروں کی خدمت اور کفالت کو اپنا فریضہ سمجھیں اور عوام و رعایا میں خود احتسابی، خدمتِ خلق، ایثار، انفاق فی سبیل اللہ، اخوت و بھائی چارے کا جذبہ پیدا کریں، تاکہ امتِ مسلمہ اپنی عظمتِ رفتہ کی بحالی کی طرف گام زن ہو سکے۔

حواشی ومراجع

۱۔ تہذیب اللغۃ، محمد بن أحمد بن الأزہری الہروی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ط:۱، ۲۰۰۱م، ج:۱۰، ص ۱۴۲

۲۔ إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ دہلوی، المکتبۃ الشاملۃ، ج:۵، ص ۲۶۷

۳۔ المستدرک، أبوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط:۱، ۱۴۱۱ھ، ج:۴، ص ۱۸۴

۴۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج النیسابوری، باب فضائل الأشعریین، رقم:۲۵۰۰، ج:۴، ص ۱۹۴۴

۵۔ صحیح البخاری، محمد بن إسماعیل، دار طوق النجاۃ، ط:۱، ۱۴۲۲ھ، باب اللعان، رقم:۵۳۰۴

۶۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، باب ال إحسان إلی الأرملۃ والمسکین، رقم:۲۹۸۳، ج:۴، ص ۲۲۸۷

۷۔ صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، باب ال إحسان إلی الأرملۃ والمسکین، رقم: ۲۹۸۲، ج:۴، ص۲۲۸۶

۸۔ صحیح البخاری، دار طوق النجاۃ، ط:۱، ۱۴۲۲ھ، باب من استرعی رعیۃ فلینصح، رقم ۷۱۵۰، ج۹، ص ۶۴

۹۔ الطبقات الکبری، أبوعبد اللہ محمد بن سعد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط:۱، ۱۴۱۰، ج:۳، ص ۲۳۲

۱۰۔ طبقات ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد، ترجمہ عبداللہ العمادی، دارالاشاعت، کراچی، ط: ۲۰۰۳ء، ج:۲، ص ۱۸۱

۱۱۔ تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، ترجمہ محمد مبشر سیالوی، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور، ص ۱۱۵

۱۲۔ سیرتِ عمر بن عبدالعزیز، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مکتبہ لدھیانوی، ط:۱،۱۹۹۶ء، ص ۱۳۵

۱۳۔ سنن أبی داود، سلیمان بن الأشعث السجستانی، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، س ن، باب فی زکاۃ السایمۃ، رقم:۱۵۶۷، ج:۲، ص ۹۶

۱۴۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل، دار ابن کثیر، بیروت، ط:۳، ۱۴۰۷ھ، کتاب الھدایا، باب من لم یقبل الھدیۃ لعلۃ، رقم الحدیث:۲۴۵۷، ج:۲، ص ۹۱۷

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحیؒ

مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳۔۲۴ رفروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان میں تہذیب وسیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق وامتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی وسیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت وسیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

دو نئی مطبوعات

۱۔ توحید اور قیام عدل — مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں عقیدۂ توحید کی وضاحت، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیال پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات: ۹۲، قیمت: -/۵۰ روپے

۲۔ اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

زمانۂ نزول قرآن میں یہودیت اور عیسائیت دو بڑے مذاہب تھے۔ قرآن نے ان کے ماننے والوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور ان کی تحریفات اور انحرافات کی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام ہی اللہ کا اصل دین ہے، جسے لے کر ہر پیغمبر آیا تھا اور جس کے ساتھ اب آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ان بنیادی نکات کو نمایاں کیا گیا ہے جنھیں راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کو دیگر اہل مذاہب سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس مطالعہ میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قدیم و جدید کتبِ تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ صفحات: ۸۴، قیمت: -/۴۵ روپے

-: ملنے کے پتے :-

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر ۹۳ — علی گڑھ — ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی — ۲۵

کلامِ اقبال میں قرآنی تلمیحات

ڈاکٹر علی محمد بٹ

علامہ اقبال عصرِ حاضر کے اُن مفکروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے زندگی میں الٰہی تعلیمات کو ایک نئے سانچے میں ڈال کر مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ بدلتے ہوئے حالات میں بھی اسلام اپنے دامن میں ہماری راہ نمائی کا سامان رکھتا ہے۔ انھوں نے اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور قرآنی تعلیمات کو اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کا یہ کارنامہ کسی معجزے سے کم نہیں، کیوں کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے اقبال نے اپنا عین شباب مغرب کی گلیوں میں بسر کرنے کے باوجود وہ پوری زندگی اسلام کے شیدائی رہے۔ مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد، جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ گئی اس کی سوچ مغربی افکار سے متاثر ہوگئی، لیکن علامہ اقبال کی شخصیت منفرد ہے کہ وہ یورپی تہذیب وتمدن کو مسلمانوں کے لیے سمّ قاتل سمجھتے تھے۔ ان کے اس غیر متزلزل ایمان کے پیچھے قرآن کی تعلیمات کا اثر کارفرما ہے۔ اُن کی شاعری کا بغور مطالعہ کرنے سے اس میں جابجا قرآنی تلمیحات نظر آتی ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں قرآن مجید کا حوالہ دے کر امت مسلمہ کو اس کی عظمت رفتہ کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن [۱]

علامہ اقبال نے اسلامیانِ برصغیر کو بہ طورِ خاص یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مومن مقصدِ الٰہی کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ اُس کو دنیا میں اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ علامہ اقبال کو قرآن کریم کے ساتھ جو غیر معمولی انہماک اور شغف تھا، اس کی اصلی وجہ رسول اللہ ﷺ سے ان کی والہانہ محبت تھی۔

علامہ اقبال کی قرآن فہمی کی متعدد علمائے اسلام نے تعریف کی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے ان کے مطالعۂ قرآن پر تحقیق کی تو انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ زندگی کو پوری طرح قرآن فہمی میں گزار کر اب ایسا لگتا ہے کہ قرآن کے فہم وادراک میں جہاں میری پرواز ختم ہوجاتی ہے وہاں سے علامہ اقبال کی پرواز شروع ہوتی ہے۔ مولانا اصلاحی علامہ اقبال کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> ''عصر حاضر میں جن حالات کے شکار ہم ہیں یہ ہماری بے بسی کا دور ہے نہ کہ اقبال کا دور۔ اپنی قوم کے ان لوگوں کو گنیے جن کے دم سے آج ہماری آبرو قائم ہے۔ ان کے جانے سے ہمارے اندر ایک خلفشار پیدا ہوا ہے۔ ہم پاتے کم اور کھوتے زیادہ ہیں۔ اقبال جیسے لوگ جب سے جدا ہوئے تو کوئی نہیں جو اُن کی جگہ لینے کے لیے آگے بڑھے۔ہم اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہیں، مگر تکوینی صلاحیت میں کم زور ہیں، کیوں کہ زندگی سروں سے نہیں، بلکہ دماغوں اور دماغوں سے زیادہ دلوں سے ہے۔ عصر حاضر میں مسلم دنیا میں دماغی صلاحیت اتنی کم زور ہوگئی کہ ایسا شاعر ہونا درکنار، اقبال کے شعروں کو سمجھنے کی اہلیت بھی پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اقبال وہ ہستی تھی جو حوصلوں اور ولولوں کو دعوتِ رفعت وسبقت دینے کے لیے ایک نشانِ پرواز اور دماغوں کی رہ نمائی وقیادت کے لیے 'پہاڑی کا چراغ' تھی۔''۲؎

علامہ اقبال نے جن تصورات اور تلمیحات کو اپنی اردو اور فارسی شاعری میں پیش کیا ہے وہ انہوں نے قرآن کریم سے اخذ کیے تھے۔ اس کا ذکر اُن کی شاعری میں بار بار مختلف اسالیب اور انداز میں پایا جاتا ہے۔ اُن کی شاعری پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ سینکڑوں مضامین براہ راست قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں۔ وہ مسلم اُمت کو بار بار یاد دِلاتے ہیں کہ اگر زندہ رہنا ہے تو قرآن کو اپنا مقصد حیات اور اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن ۳؎

یعنی اگر مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتے ہو تو قرآن کریم پر عمل کرنا ضروری ہے۔اس کے بغیر مسلمان ہونا ممکن نہیں۔

قرآن کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ ہے۔اس کا مطالعہ کرنے سے انسان کا اندرون بدل جاتا ہے

ایں کتابے نیست، چیزے دیگر است ۴؎

یعنی یہ عام کتاب نہیں ہے، بلکہ کچھ اور ہی چیز ہے۔

تلاوتِ قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا اثر دل پر ہونا چاہیے، تاکہ بوقتِ تلاوتِ قرآن ہر لفظ کی ادائیگی اس کے اردگرد کو معطر کردے۔ تلاوت کا انداز ایسا ہو کہ پڑھنے والا سمجھے کہ قرآن اسی پر نازل ہو رہا ہے۔اگر ایسی کیفیت نہ پیدا ہو سکے تو ایسی تلاوت سے کچھ حاصل نہیں

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل!
بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے ۵؎

علامہ اقبال کی زندگی کا ہر پہلو مسلم نوجوانوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔ یہ وہ شخصیت ہے جس نے اپنے والد کی نصیحت قبول کر کے مسلم دنیا میں فکری انقلاب برپا کر دیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے تو والد نے اُن کو نصیحت کی: ''میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم قرآن اس طرح پڑھا کرو جیسے وہ اسی وقت تم پر نازل ہو رہا ہے۔'' اس کے بعد سے اقبال نے قرآن مجید کو بڑے تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ ۶؎ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرتے گزاری۔ قرآن مجید پڑھتے، قرآن سوچتے، قرآن بولتے۔ نوجوانانِ ملّت کے لیے وہ ایک پیغام چھوڑ گئے ہیں: ''میں اس گھر کو

صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں، جس گھر میں علی الصبح تلاوتِ قرآن مجید کی آواز آئے۔" یعنی تلاوت ہو اور آواز کے ساتھ۔" ۷ے

عصر حاضر کے مسلمانوں کو اگر ایک بار پھر ایک باوقار، خود مختار اور الٰہی قوت بن کر اُبھرنا ہے تو رجوع الی القرآن بہت ضروری ہے۔ یہی واحد راستہ ہے جو اُمت مسلمہ کو اپنے وجود پر کھڑا کرسکتا ہے، کیوں کہ قرآن ایک شعور ہے، جو انسان کو لاشعوری سے نکال کر باشعور اور باصلاحیت بنا دیتا ہے۔ قرآن ایک تصور ہے جو انسان کو لا حاصل اور بے اصل زندگی سے نکال کر ایک حقیقت پسند اور خدا داد صلاحیتوں کا مالک بنا دیتا ہے۔ اس لیے فلسفۂ قرآن کا دل کی عمیق گہرائیوں سے مطالعہ کرنا ضروری ہے، تاکہ انسان کو حق تک رسائی حاصل ہوسکے ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشّاف ۸ے

ایک بار علامہ اقبال عالم اسلامی کی اتحاد کانفرس میں شرکت کے لیے لاہور سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی ریلوے اسٹیشن پر اترے تو لوگوں کے ایک ہجوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میرے ساتھ نہ تو کوئی پرائیویٹ سیکرٹری ہے اور نہ سیاسی لٹریچر کا پلندہ، جس پر اپنے دلائل کی اساس قائم کروں۔ میرے ساتھ حق و صداقت کی ایک جامع کتاب 'قرآن مجید' ہے، جس کی روشنی میں مسلمانانِ ہند کے حقوق کی ترجمانی کرنے کی کوشش کروں گا۔" ۹ے

اقبال تعلیم قرآن پر زیادہ قوت صرف کرنے کے حامی تھے۔ انھوں نے مغربی نظامِ تعلیم کو کھنگالا اور مغربی فلسفے کی تہہ تک پہنچے۔ ان کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"مغربی تہذیب کی اصلیت جان کر اقبال قرآن کے اور قریب ہوگیا۔ مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا۔ یہاں

تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی نہیں رہا۔ جو کچھ وہ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔''۱۰؎

علامہ اقبال طویل غور وخوض کے بعد اس نتیجے تک پہنچ گئے تھے کہ حقیقت صرف قرآن مجید ہے اور وہ تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ انہوں نے علم کی ہر شاخ کو قرآن پاک کی کسوٹی پر پرکھا۔ ان کے تمام تصورات یا تو قرآن مجید سے حاصل کیے گئے ہیں، یا ان پر قرآن مجید کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس تجربے کا اثر اتنا گہرا ہوا کہ زندگی کے آخری دور میں اقبال، قرآن پاک کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ قرآن پاک کے سوا کوئی کتاب اپنے سامنے نہیں رکھتے تھے۔ اس بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کے پاس فلسفہ کے چند اہم سوالات بھیجے اور ان کا جواب مانگا۔ ان کے قریب رہنے والے لوگ متوقع تھے کہ علامہ اپنی لائبریری کی الماریاں کھلوائیں گے اور بڑی بڑی کتابیں نکلوا کر ان مسائل کا حل تلاش کریں گے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لائبریری کی الماریاں مقفّل کی مقفّل رہیں اور وہ صرف قرآن ہاتھ میں لے کر جواب لکھوانے بیٹھ گئے۔''۱۱؎

اقبال جدید عصری علوم اور اس کے فلسفے پر مکمل دست رس اور اس کے ہر پہلو کو جانچنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود قرآن پر ایمان کامل رکھتے تھے۔ وہ تمام انسانی مصائب کا واحد حل قرآن کریم کو مانتے تھے۔ اُن کا یقین محکم تھا کہ انسان اگر کامیاب زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ قرآن مجید کے کامل منشور اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرے۔ فرماتے ہیں ؎

بجلی ہوں، نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومنِ جاں باز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے ۱۲؎

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں تعلق بالقرآن اور محبت رسول ﷺ کو جابجا نمایاں کیا ہے، تاکہ زنگ آلود دل الٰہی تعلیم کے ذریعے پاک ہوسکیں۔ قرآن مجید ہی نے ان کے افکار کو جِلا بخشی تھی۔ وہ روزانہ پابندی سے قرآن مجید کی تلاوت اور اُس پر غور وفکر کرتے تھے۔ آپ کے شاگرد سید نذیر نیازی رقم طراز ہیں:

''علامہ اقبال کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا اور قرآن مجید پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ بچپن ہی سے نماز فجر کے بعد علی الصبح قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ باادب بیٹھ جاتے۔ خوش اِلحانی سے تلاوت کرکے ایک ایک لفظ اور ایک ایک آیت پر غور کرتے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھتے، تاکہ ہر لفظ اور ہر آیت کے معنیٰ ذہن نشین ہوجائیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ ہی ان کا محبوب ترین مشغلہ اور دل و دماغ کا سرمایہ تھا۔ قرآن مجید سے ان کی شیفتگی اور والہانہ شغف کا عالم یہ تھا کہ کوئی بھی مصروفیت ہو، جیسا بھی انہماک، گھر بار کے معاملات، دنیا کے دھندے ہوں، ان کا دل ہمیشہ قرآن مجید میں رہتا۔ دورانِ مطالعہ اکثر رقّت طاری ہوجاتی۔ کوئی بھی تحریر ہو یا تقریر، بِلا جھجھک ارشادات قرآنی کی طرف منتقل ہوجاتی تھی۔ کوئی حقیقت یا فکر ذہن میں ابھرتی تو قرآن مجید سے اس کی وضاحت کرتے تھے۔ رہا تدبّر، سو اس باب میں کیا عرض کی جائے۔ محمد اقبال نے جو کچھ کہا، سوچا، لکھا، شعر ہو یا فلسفہ، قرآن مجید ہی میں تدبر و تفکر کی بدولت کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ اقبال کے سرمایۂ فکر میں قرآن مجید ہی کی روح کارفرما ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال ایک روز کہنے لگے: فلسفہ ہو یا سائنس، زندگی ہو یا اس کے مسائل، کوئی عقدہ حل نہیں ہوتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس عہد نے جسے سائنس کا عہد کہا جاتا ہے، مذہب کے بارے میں بڑی بدگمانیاں پیدا کردی ہیں، بلکہ اس کے خلاف ایک معاندانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ یہ اس لیے کہ لوگ علم وحکمت کی صحیح

روح سے نا واقف ہیں اور قرآن مجید کی تعلیمات سے محروم ہیں۔
اسلام خلاصۂ کائنات ہے اور یہی رائے ہمارے علماء کی تھی، مگر یہ حقیقت تب ہی منکشف ہوگی جب ہم قرآن مجید کی آیات بیّنات پر تدبر اور تفکر سے کام لیں گے۔'' ۱۳؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن ۱۴؎

یعنی اے انسان! اگر تو ایک مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنے کا خواہاں ہے تو اس کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات و احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سُنت پر ضرور عمل کر، ورنہ قرآن کے بغیر مسلمان ہو کر جینا امر محال ہے۔

علامہ اقبال کو قرآن پاک سے جو عشق تھا، اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کا تقریباً ہر شعر قرآن کی کسی نہ کسی آیت سے منسوب ہے۔ مثال کے طور پر ان کا ایک شعر ہے ؎

اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا ۱۵؎

اس شعر میں اقبال نے سورۃ البقرۃ کی آیات ۳۰۔ ۳۳ کی طرف اشارہ کیا ہے: ''اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے بنالوں اور اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سرنگوں ہو جاؤ۔ سوسارے فرشتوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے اس سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔''

اقبال کے لیے قرآن آیینِ زندگی ہے۔ اس میں انسانوں کے مسائل کا حل موجود ہے ۔ یہ زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کی رہ نمائی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس کو وظائف کی کتاب تک محدود کر دیا ہے، حالاں کہ اُس کا بنیادی مقصد زندہ انسانوں کے مسائل حل کرنا ہے۔ اقبال کا اس بات پر کامل ایمان تھا کہ تمام مسائل، چاہے وہ سماجی، اقتصادی، سیاسی یا سائنسی اور فلسفیانہ ہوں، اُن کا حل قرآن میں موجود ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کے تمام بنیادی افکار قرآن مجید سے اخذ کیے گئے

ہیں، یا تو بذات خوہ وہ آیات قرآنی کا ترجمہ ہیں، یا قرآن نے جوخصوصیات بیان کی ہیں اِن کی مکمل ترجمانی کی گئی ہے۔

آئندہ سطور میں اقبال کے کچھ منتخب اشعار پیش کیے جائیں گے اور آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ان کی تشریح کی جائے گی۔ان کا ایک شعر ہے ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہوکر۱۶؎

اس شعر کا پہلا مصرعہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۹: وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ سے ماخوذ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو۔'' دوسرا مصرعہ سورۂ فرقان کی آیت ۳۰: وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا کا ترجمہ ہے، یعنی ''اللہ کے رسول تارکینِ قرآن کے سلسلہ میں اپنے رب کے سامنے خود گواہی دیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔''

علامہ اقبالؒ نے ایک جگہ موجودہ دور میں حقیقی تصوف کے زوال اور بے عمل و نام نہاد صوفیوں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔کیوں کہ اُن کے مطابق قرآن ایک زندہ حقیقت ہے اور اس پر شعوری عمل اور اعتقاد سے دنیا کی حالت بدل سکتی ہے۔عصر حاضر کے صوفیوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اور اُن کے کردار پر انگلی اُٹھاتے ہوئے وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

'قم باذن اللہ' کہہ سکتے تھے جو، رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن ۱۷؎

صبح ازل جو حسن ہوا دلستان عشق
آواز کن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق
یہ حکم تھا کہ گلشن 'کن' کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشان ہزار دیکھ ۱۸؎

ان اشعار میں اقبال نے 'قم باذن اللہ' اور 'کُن' کی قرآنی تعبیرات استعمال کی ہیں۔اول الذکر سے اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ 'قم باذن اللہ' کہہ کر مُردوں

کو زندہ کر دیتے تھے اور لفظ 'کُن' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کاارادہ کرتا ہے تواس کو کہہ دیتا ہے: ہوجااوروہ ہوجاتی ہے۔

سورۃ احزاب کی آیت ۲ میں یہ کہا گیا ہے: ''ہم نے امانت آسمانوں اورزمین اور پہاڑوں پر پیش کی، لیکن ان سب نے اُٹھانے سے انکار کیااوروہ اس سے خوف زدہ ہوئے اور انسان نے اسے اپنے ذمے لے لیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے۔'' اس کی طرف تلمیح اقبال کے ان اشعار میں ملتی ہے ؎

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
بار جو مجھ سے نہ اٹھا، وہ اٹھایا تو نے۱۹؎

سختیاں کرتا ہوں دل پر، غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں، جاہل ہوں میں۲۰؎

اقبال قرآن کو ایک عام کتاب سے ماورا سمجھتے ہیں اور اس کو ایک انقلابی نظریے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن حکیم عام کتابوں کی طرح فقط ایک کتاب نہیں، کچھ اور ہی چیز ہے۔ جب اس کا اثر جان کے اندر داخل ہوتا ہے تو وہ جان بدل جاتی ہے (اس میں انقلاب آجاتا ہے) اور جب جان بدل جائے تو جہان بدل جاتا ہے۔ جاوید نامہ میں وہ 'پیغامِ افغانی باملتِ روسیہ' کے زیرعنوان قرآنِ حکیم کے ذکر سے آغاز کرتے ہیں ؎

منزلِ مقصودِ قرآں دیگر است
رسم و آئین مسلماں دیگر است۲۱؎

یعنی قرآن پاک کی منزل ومقصود اور ہے، مگر آج کل کے مسلمان کے طور طریقے اور اصولِ حیات مختلف ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں قرآن حکیم کا ذکر بار بار مختلف اسالیب میں کیا ہے۔ ان کے نمایاں افکار وتصورات، یعنی فلسفۂ خودی، تصوّرِ بےخودی، عقل وعشق، مردِ کامل، فقر، تصوف وغیرہ، اصلاً قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر ہی تشکیل پذیر ہوئے ہیں۔ کلام اقبال کے سیکڑوں مضامین براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کیے گئے ہیں۔

قرآن حکیم سے علامہ اقبال کی وابستگی اور رجوع الی القرآن کی تلقین محض شاعرانہ بات نہیں ہے، وہ حتی الوسع خود بھی قرآن حکیم کو راہ نمائے حیاتِ بنانے کی سعی و کاوش کرتے رہے، مثلاً ان کے سوانح نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ان کی بہن کریم بی بی ایک عرصے سے خوش دامن کے نامناسب رویے کی بنا پر میکے میں آ کر رہ رہی تھیں۔ خوش دامن فوت ہوگئیں تو ان کے خاوند (علامہ اقبال کے بہنوئی) انھیں لینے آئے۔ اقبال کے والدین تو رضا مند ہو گئے، مگر اقبال مصالحت پر راضی نہ تھے۔ والدین نے بہت سمجھایا، مگر وہ کسی طرح نہ مانے۔ اصرار کرنے لگے کہ بہنوئی اور ان کے ساتھ آنے والوں کو واپس کر دیا جائے۔ اب ان کے والد نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہا: بیٹے، اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: وَ الصُّلۡحُ خَیۡرٌ۔ (صلح بہتر ہے۔) یہ سننا تھا کہ اقبال خاموش ہو گئے، چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، جیسے کسی نے سلگتی آگ پر برف کی سل رکھ دی ہو۔ کچھ توقف کے بعد والد نے پوچھا: اب کیا کیا جائے؟ اقبال نے کہا: وہی جو قرآن کہتا ہے۔ چنانچہ مصالحت ہوگئی اور بہن کو رخصت کر دیا گیا۔

قرآن حکیم سے اقبال کی وابستگی تادم آخر برقرار رہی۔ تلاوت تو ان کا عمر بھر کا معمول رہا۔ کبھی کبھی تلاوت کرتے وقت ان پر رقت طاری ہو جاتی اور بے اختیار رونے لگتے۔ نوجوانوں کو علی الصبح تلاوت کی تلقین کیا کرتے۔ مثلاً ایک بار فرمایا: ''مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآنِ کریم ہے۔ میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس سے علی الصبح تلاوت قرآنِ مجید کی آواز آئے۔'' تلاوت کے ساتھ وہ قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم پر بھی برابر فکر و تدبر کرتے رہے۔ خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط میں اعتراف کرتے ہیں: ''میرا ابتدائی میلان تصوف کی طرف تھا، مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا۔'' وہ قرآنِ پاک کی تفہیم و تعبیر پر کچھ لکھنا بھی چاہتے تھے، مگر خرابیِ صحت نے انھیں اس کا موقع نہیں دیا۔

اردو کلام میں ایک جگہ کہتے ہیں ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار ۲۲؎

عظمتِ آدم سے متعلق قرآنی آیت ہے: ''اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور دریا میں سوار کیا اور ان کو خوب صورت چیزیں عطا کیں اور انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی۔'' (بنی اسرائیل: ۷۰) اس کے حوالے سے اقبال کہتے ہیں ؎

جائے حیرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں میں
مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیوں کر ہوا؟ ۲۳؎

علامہ اقبال کے کلام کو اگر قرآن کی منظوم تفسیر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ اس میں قرآن کریم کی سات سو (۷۰۰) سے زائد تلمیحات بِالواسطہ یا بلاواسطہ استعمال ہوئی ہیں۔ اس منظوم کلام کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں قرآنی آیات کی ترجمانی تین طریقوں سے کی گئی ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں نہ صرف قرآن کے عربی متن کا کوئی لفظ یا قرآنی آیت کا کوئی فقرہ استعمال کیا ہے، بلکہ بہت سے فقروں کو شعر کا مصرعہ بنا دیا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اشعار میں قرآن کریم کی کسی آیت کی منظوم ترجمانی کر دی ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کی بہت سی آیات کو کسی مخصوص نظم کا موضوع بنا دیا ہے، جیسے 'بال جبریل' کی نظم 'الارض للہ'۔ ہر مصرع پر کسی ایک آیت کا اطلاق نہیں، بلکہ بہت سی آیات کا اطلاق ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں آدم و ابلیس کا واقعہ بہت سے مقامات پر مذکور ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ابلیس نے آدم کو بہکا کر جنت کا ممنوعہ پھل کھانے پر تیار کر لیا۔ اس طرح وہ ان کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بنا۔ اس کی طرف اشارہ اقبال نے مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے ؎

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو ۲۴؎

اقبال نے قرآن مجید میں مذکور پیغمبروں کے ذکر کو بھی جا بجا موضوع بنایا ہے۔ مثلاً نمرود کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے جانے کے حوالے سے اقبال کا یہ شعر زبان زد عام ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی ۲۵؎

حضرت موسیٰؑ کو 'ید بیضا' کا معجزہ دیا گیا تھا۔ اس کو موضوع سخن بناتے ہوئے اقبال کہتے ہیں ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں ۲۶؎

قرآن میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے خواہش کی: ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَن تَرانِی (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے)۔'' اس کے حوالے سے علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں ؎

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی 'لن ترا'' سننا چاہتا ہوں ۲۷؎

کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیوں کر ہوا؟ ۲۸؎

کبھی میں ذوق تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نور ازل زیر آستیں میں نے ۲۹؎

نبی آخر الزماں ﷺ کے سفر معراج کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں آیا ہے۔ اس کے حوالے سے اقبال نے کہا ہے ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں ۳۰؎

معراج النبی ﷺ کے حوالے سے ہی اس آیت ''اور انہوں نے اس فرشتے (جبرائیل) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب'' کا احاطہ کرتے ہوئے

علامہ کہتے ہیں ؎

تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
طائر سدرہ آشنا ہوں میں ۳۱؎

اقبال جب بھی سوچتے تھے، قرآن کو مدِّ نظر رکھ کر سوچتے تھے۔ ان کے وجود میں قرآن سرایت کر گیا تھا۔ وہ قرآن کی عظمت اور اس کی اہمیت اور مقام سے باخبر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ قرآن عام معروف معنیٰ میں کتاب نہیں، بلکہ کلام اللہ ہے اور کلام بغیر کسی شک کے خود متکلم کی جملہ صفات کا اظہار ہے۔ قرآن دوسرے معنیٰ میں ربوبیت کا مظہر ہے، اس لیے یہ زندہ قوموں کے لیے مثل روح ہے۔ جس طرح اللہ کی شان یہ ہے کہ ''**كُلَّ يَومٍ هُوَ فِي شَانٍ**'' اسی طرح قرآن کریم بھی ہر دور کے اُفق پر ایک خورشید تازہ کے مانند طلوع ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا مدح سرا اقبال سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں قرآن کریم کا کتنا اثر تھا اور وہ کس درجہ کا عارف تھا۔ ۳۲؎

علامہ اقبال کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ قرآن انسانیت کی روح اور زندہ قوموں کے لیے مشعل راہ ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ ان کے ذہن کو سکون صرف قرآن مجید سے ملا ہے اور علم کی پیاس کی آسودگی صرف کتاب اللہ سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں ۳۳؎

علامہ اقبال قرآن کا زندہ نمونہ تھے۔ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے، شنید نہیں، دید پر مبنی تھا۔ ان کا پورا وجود قرآن کریم کی عظمت کے بار گراں سے **خَاشِعاً مُتصدِّعاً** بنا ہوا تھا۔ قرآن کی عظمت کا ادراک اور احساس اُن کے رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ وہ خود اس احساس کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

آں کِتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے ۳۴؎

علامہ اقبال کے کلام کا جائزہ لینے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ قرآنی تصورات اور تمثیلات کا مرکز و مخزن ہے۔ انھوں نے اپنے کلام کے تقریباً تین چوتھائی حصے میں قرآن کی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کی ترجمانی کی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد مسلم دنیا کو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کرانا ہے، تاکہ وہ قرآن کے مقاصد کو سمجھ کر اپنے اندر حرکت پیدا کریں اور اپنی تاریخ سے سبق حاصل کریں۔

علامہ اقبال کے نزدیک قرآن کا اہم مدعا و مقصد اتباعِ فرمانِ الٰہی ہے اور اتباع کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کی تلاوت کی جائے، اسے سمجھا جائے اور اس میں تدبر کیا جائے۔ محض عربی زبان پر دست رس ہونا کافی نہیں ہے۔ قرآن کا بنیادی مقصد اس کے اسرار و رموز کو اپنے اندر جذب کر کے ایک انقلاب پیدا کرنا ہے، تاکہ انسان ایک آزاد زندگی گزار سکے۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسا عظیم نصب العین عطا نہیں کر سکتی۔ یہ واحد کتاب ہے جو انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرتی ہے۔ موجودہ مسلمانوں کی زبوں حالی سے نجات دِلانے اور متحرک و فعال کرنے کا واحد ذریعہ کتاب اللہ ہی ہے۔ آج تک دنیا نے جتنے غیر الٰہی نظام دیکھے وہ سب ظلم اور غیر عادلانہ طرزِ حکومت پر مبنی تھے۔ اس لیے علامہ اقبال نے قرآنی تصور **اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ** کی وکالت کی اور اسے اپنی شاعری کا شعار بنا لیا۔ انسان بہ یک وقت دو مختلف نظاموں کا بندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے اقبال اللہ کی بندگی کے سوا تمام دوسرے طرزِ زندگی کو مُسترد کرتے ہیں ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکم راں ہے اِک وہی باقی بتانِ آذری ۳۵؎

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ بندۂ حق زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کا شعور الٰہی تعلیمات سے سرشار اور اس کا وجود انسانی غلامی سے کوسوں دُور ہوتا ہے ؎

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او نہ او کس را غلام

بندہ حق مرد آزاد است و بَس
ملک و آیینش خدا داد است وبس
زیر گردوں آمری از قاہری است
آمری از ما سوا اللہ کافری است ۳۶ ؎

آہ اے مرد مسلمان کیا تجھے یاد نہیں
حرف لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھاً اٰخر ۳۷ ؎

علامہ اقبال کے مطابق قرآن کریم سے دوری اور بے حسی و بے رغبتی اصل میں مسلمانوں کے زوال اور ذِلت وخواری کا سبب ہے۔ اس کے لیے وہ قرآنی لفظ **مَھجُوراً** (الفرقان: ۳۰) استعمال کرتے ہیں ؎

خوار از مہجوری قرآن شُدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندہ
در بغل دَاری کتاب زندہ ۳۸ ؎

یعنی اے مسلمان! تیری ذلت و رسوائی کی بنیادی وجہ قرآن سے دوری اور لاتعلقی ہے، مگر تو نے اپنی زبوں حالی اور افلاس کا الزام گردشِ زمانہ پر ڈال رکھا ہے۔ اے اُمت مسلمہ، جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے! تیرے بغل میں ایک زندہ کتاب (قرآن) موجود ہے۔

علامہ اقبال قرآنی تعلیمات کو اُمت کے لیے واحد دوا سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جس نے عرب کے ریگستانوں میں رہنے والوں کو دنیا کی بادشاہی عطا کی، اُن کا دبدبہ مشرق تا مغرب ہر کسی کے دل میں قائم ہوا۔لیکن جب انھوں نے قرآن سے اپنا تعلق ختم کرلیا اور اس سے دوری اختیار کرلی تو دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئے ؎

جانتا ہوں میں یہ اُمت حامِل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں ۳۹ ؎

اقبال کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن کی تلاوت کو ثواب تک محدود کر دیا۔

انہوں نے قرآن کو پڑھا، مگر اس کی تعلیمات اور احکام پر عمل کرنے کے بجائے ان کو اپنی خواہشات کے تابع کر دیا ؎

خود نہیں بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق ۴۰؎

علامہ اقبال نے یہ تصور سورۃ الفرقان کی آیت ۴۳ سے اخذ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلاً۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئاً وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرّاً وَلَا نَفْعاً وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتاً وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُوراً (الفرقان: ۲) علامہ اقبال نے مسلمانوں کو یہ یاد دلانے کی کوشش کی کہ قرآن کی تعلیمات میں مسلمانوں کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا اسیر
تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر ۴۱؎

علامہ اقبال نے مسلم اُمت کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ قرآن تیری محکومی اور بے بسی کا واحد علاج ہے۔ حیات کا دارومدار اسی کتاب پر ہے، اس لیے اپنی بے بسی کا علاج قرآن کی تلاوت اور فہم و تدبر سے کر، کیوں کہ اسی پر تیری بقا کا انحصار ہے۔ جب تلاوت کی حقیقی مراد تلاوت کرنے والے کے اندر اوصافِ حمیدہ اور انصاف و عدل کا معیار پیدا ہونے کے ساتھ الٰہی بندگی کا نقشہ دل و دماغ میں رچ جائے ؎

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب ۴۲؎

یعنی اے مسلمان! اس کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرو (اس سے تیری عزت و

اکرام ہے) پھر جو مقصد و مطلب چاہو حاصل کرلو۔

مسلم دنیا میں اعتقادی اور عملی ضعف کی اصل وجہ مسلمانوں کا غیر شرعی رسوم اختیار کرنا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ ضعف مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں اپنا اثر کرتا گیا، یہاں تک کہ وہ باطل کی غلامی کے خوگر ہوگئے اور باطل طرز زندگی اختیار کرنے پر رضامند ہو گئے۔ علامہ اقبال نے اِن غلط اور جاہلی عقائد وتصورات، بدعات اور رسوم کی نشان دہی کر کے اُن کو جگانے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا کہ مسلم دنیا کے لیے نجات کی راہِ قرآن کریم ہے۔ اس لیے اُمت مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ صراط مستقیم پر گام زن ہو۔ اس کے لیے رجوع الیٰ القرآن کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ موجودہ دور میں مسلمان جن برائیوں اور منکرات کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اس کی اصل وجہ قرآنی تعلیمات سے دوری ہے ؎

اے گرفتارِ رسوم ایمان تو
شیوہ ہائے کافری زندان تو
قطع کردی امر خود را درزبر
جادہ پیمائی اِلیٰ شَیئٍ ☐ ءٍ نُکر ۴۳؎

یعنی اے مسلمانو، جو رسوم کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہو اور کُفر کے طرز زندگی کے زندان میں مقید ہو! تم نے مسلم وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور خوف ناک انجام کی طرف رواں دواں ہو۔

تقریباً ایک صدی قبل علامہ اقبال نے جس بے حسی کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی، اُمت مسلمہ مشرق تا مغرب اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اگر یہی عالم رہا تو مستقبل اور زیادہ بھیانک ہوگا۔ غیروں کے تراشیدہ انقلابی ڈھکوسلے کبھی اُمت مسلمہ کو صحیح نظریے پر کھڑا ہونے نہیں دیں گے۔ اگر علم قرآنی، جو حکمت کا منبع ہے، مسلمانوں کے دل و دماغ میں جگہ حاصل کرے تو ان کے اندر انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ اقبال نے اس کو یوں بیان کیا ہے ؎

چوں بجاں در رفت جان دیگر شود

جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود ۴۴؎

یعنی یہ کتاب حکیم جب انسان کے اندر سرایت کر جاتی ہے تو اس کے ظاہر کے ساتھ باطن میں بھی انقلاب برپا کر دیتی ہے۔

علامہ اقبال اسلام کے ماننے والوں کے دلوں میں ماضی کی سرفروشانہ یادیں تازہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ اسلامی طرز زندگی کی راہ استوار کر کے وہ پھر مقام عظمت تک پہنچ سکیں۔ اس تبدیلی کے لیے وہ قرآن کو واحد نسخۂ کیمیا اور ماخذِ انقلاب تصور کرتے ہیں، جو دلوں میں ولولہ اور جوش و اُمنگ پیدا کرتا ہے؎

یک جہانش عصر حاضر را بس است!
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
بندۂ مومن ز آیات خدا ست
ہر جہاں اندر بر اُو چوں قباست!
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآن جہانے دیگرش ۴۵؎

یعنی بندہ مومن اللہ کی نشانی ہے۔ اس کے لیے دنیا کی حیثیت ایک قبا جیسی ہے۔ جب اس کا لباس خستہ ہو جاتا ہے تو قرآن اسے ایک نیا جہاں عطا کرتا ہے۔ عصر حاضر کو بھی ایک نئے عالم کی ضرورت ہے، جس کے سینے میں ایک ایسا دل ہو جو معانی کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہو۔ یہ راز کی بات حاصل کرو۔

علامہ اقبال کے نزدیک اُمت کے جملہ امراض کا واحد علاج قرآن حکیم ہے۔ ملت اسلامیہ کی نیم مردہ زندگی میں از سر جان ڈالنے والی اور اس کے لیے آبِ حیات اور ابدی سر چشمہ قرآنی آیات ہیں؎

بر خور از قرآن اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد مارا پیام لا تَخَفْ
می رساند بر مقام لا تَخَفْ
گوہر دریائے قرآن سفتہ ام

شرح رمز صبغۃ اللہ گفتہ ام ۴۶ ؎

یعنی اے مردِ مومن! اگر دوام و ثبات اور قوت و استحکام کا طلب گار ہے تو قرآن کے سامنے دستِ سوال دراز کر، کیوں کہ مجھے قرآن کے باطن چشموں میں آبِ حیات کا سراغ ملا ہے۔ اس قرآن کا بڑا معجزہ یہ ہے کہ خوف سے نکال کر اُس مقام تک لے جاتا ہے جہاں خوف نہیں ہوتا۔ میں نے قرآن کے بحرِ بیکراں کے موتی جمع کر لیے ہیں اور صبغۃ اللہ کے اسرار و رموز کی شرح بیان کر دی ہے۔

علامہ اقبال کی زندگی مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے، جس نے اُن کو بدعات اور باطل تصورات سے بچانے کی کوشش کی ہے، تاکہ وہ الٰہی نظام کو قرآن کے ذریعے سمجھ سکیں۔ علامہ اقبال نے جو قرآنی تلمیحات اپنی شاعری میں استعمال کی ہیں وہ اُن آیات سے منتخب کی گئی ہیں جو مسلمانوں میں انقلابی ذہن پیدا کرتی ہیں۔ انھوں نے ان آیات کے معانی و مفاہیم کو بہت خوب صورتی سے اپنی شاعری میں سمویا ہے اور ان کے ذریعے امتِ مسلمہ کو عزت و عظمت اور اقبال و سربلندی کا پیغام دیا ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ مردِ مسلمان، ضربِ کلیم، ۲۹۵

۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی، ماہ نامہ اصلاح، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۳۸ء

۳۔ رموزِ بے خودی ۴۔ جاوید نامہ، ص ۸۱ ۵۔ تصویرِ درد، بانگِ درا، ۳۴

۶۔ سید قاسم محمود، پیامِ اقبال بنام نوجوانانِ ملت، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۱۰، ص ۱۴

۷۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، نقوشِ اقبال، لاہور، ص ۴۴ ۸۔ بالِ جبریل، ۲۰۹

۹۔ سید قاسم محمود، پیامِ اقبال بنام نوجوانانِ ملت، ص ۴۱

۱۰۔ ابو الاعلیٰ مودودی، حیاتِ اقبال کا سبق، مشمولہ رسالہ جوہر (اقبال نمبر) دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۷۳ ۱۱۔ ایضاً، ص ۷۴ ۱۲۔ غزلیات، بالِ جبریل، ۴۹ / ۳۷۳

۱۳۔ نذیر نیازی، اقبالیات ۱۴۔ رموزِ بے خودی، ۱۲۳

۱۵۔ غزلیات، بالِ جبریل، ص ۱۷۳ ۱۶۔ جوابِ شکوہ، بانگِ درا، ۱۰۸

۱۷۔ خانقاہ، بال جبریل، ۲۵۸ ۱۸۔شمع، بانگ درا، ۳۱

۱۹۔ انسان اور بزم قدرت: بانگ درا، ۳۶ ۲۰۔غزلیات، بانگ درا، ۵۹

۲۱۔ جاوید نامہ، کلیات اقبال فارسی، ۶۶۶

۲۲۔ کلیات اقبال: ضرب کلیم، باب اشتراکیت، اقبال اکادمی، لاہور، ص ۶۴۸

۲۳۔ کلیات اقبال: بانگ درا، طباعت اول، ص ۱۰۲

۲۴۔ کلیات اقبال، بانگ درا، غلام علی، ۲۰۰۷، ص ۷۰ ۲۵۔بانگ درا، ۳۱۸

۲۶۔ بانگ درا، ۱۰۸ ۲۷۔ ایضاً، ص ۱۱۰ ۲۸۔ایضاً، ص ۱۰۲ ۲۹۔ایضاً، ص ۸۰

۳۰۔ کلیات اقبال، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۷، ص ۴۴

۳۱۔ بانگ درا، ۲۹

۳۲۔ ڈاکٹر اسرار احمد: اقبال اور ہم، ص ۲۸ ۳۳۔ بال جبریل: ۱۵۶

۳۴۔ کلیات اقبال، اسرار و رموز، فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۲۱

۳۵۔ کلیات اقبال (اردو)، سلطنت

۳۶۔ کلیات اقبال، فارسی، جاوید نامہ، حکومت الٰہی، ۱۷/ ۶۵۸

۳۷۔ کلیات اقبال، (اردو)، لاہور و کراچی، ۲۹۳

۳۸۔ کلیات اقبال (فارسی) باب خلاصہ مطالب مثنوی، در تفسیر سورۃ اخلاص، ۱۶۵

۳۹۔ کلیات اقبال (اردو)، ابلیس اپنے مشیروں سے

۴۰۔ کلیات اقبال (اردو)، اجتہاد ۴۱۔کلیات اقبال (اردو) تن بہ تقدیر

۴۲۔ کلیات اقبال، (فارسی)، رموزِ بے خودی، در معنی ایں کہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملت محمدیہ قرآن است، ۱۲۳

۴۳۔ کلیات اقبال، (فارسی) در معنی ایں کہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملت محمدیہ قرآن است، ۱۲۳

۴۴۔ کلیات اقبال، فارسی، جاوید نامہ، پیغام افغانی بملتِ روسیہ ۶۶۹/ ۸۱

۴۵۔ علامہ اقبال، جاوید نامہ، (اردو ترجمہ، پرفیسر یوسف سلیم چشتی)، جلد اول، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، نئی دلی، ۱۹۹۳، ۵۴۹ ۴۶۔ایضاً، ص ۴۴۳

تعارف وتبصرہ

نظرات فی کتاب اللہ — زینب الغزالیؒ

ناشر: المنار پبلشنگ ہاؤس، N-58، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵، سنۂ اشاعت: ۲۰۲۰ء، صفحات: جلد اول (سورۂ فاتحہ تا سورۂ اعراف): ۶۷۳، جلد دوم (سورۂ انفال تا سورۂ نمل): ۶۱۹، جلد سوم (سورۂ قصص تا سورۂ ناس): ۶۱۵، قیمت مکمل سیٹ: ۱۸۰۰/روپے

اسلام کی ابتدائی تاریخ بتاتی ہے کہ زندگی کے مختلف میدانوں میں مردوں کے ساتھ خواتین نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ دنیائے علم میں بھی ان کی بڑی خدمات رہی ہیں، لیکن مختلف سماجی ومعاشرتی وجوہ سے بعد کے ادوار میں یہ پیش قدمی جاری نہ رہ سکی۔ جس کی وجہ سے علمی کارناموں سے متعلق تذکروں میں ان کا ذکر کم ہی آتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ میدانِ علم سے بالکل غائب رہی ہوں۔ وہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمات اپنے دائرہ میں انجام دیتی رہی ہیں۔ خوشی ہے کہ ان کے ان علمی کارناموں کا اب کھل کر اعتراف ہو رہا ہے۔

موجودہ دور کے اصحابِ قرطاس وقلم میں معروف اخوانی مصنفہ زینب الغزالیؒ (۱۹۱۷۔۲۰۰۵ء) بھی ہیں۔ اردو دنیا کے لیے ان کا نام نیا نہیں ہے۔ ان کی کتاب 'ایام من حیاتی' کا اردو ترجمہ 'زنداں کے شب وروز' عرصے سے شائع ہو رہا ہے اور اس سے راہِ حق میں استقامت کا درس مل رہا ہے۔ جمال عبدالناصر کے زمانے میں ان کو سخت اذیتیں دی گئیں اور تعزیر وتعذیب کی نت نئی شکلیں اختیار کی گئیں، لیکن ان کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ آئی۔ رہائی کے بعد بھی زندگی کے آخری لمحات تک ان کی دعوتی اور تحریکی مساعی جاری رہیں۔

دورِ حاضر کے مفسرینِ قرآن میں ایک نام ان ہی زینب الغزالی کا ہے۔ ان کی تفسیر **نظرات في كتاب الله** فہمِ قرآن میں معاون ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا دعوتی اور تحریکی جذبہ بھی اس میں نمایاں ہے۔ قدیم تفسیروں میں ابن کثیرؒ کی تفسیر، تفسیر ماثور کی

ایک نمائندہ تفسیر ہے، جس کا جدید ایڈیشن تحقیق کے ساتھ آٹھ (۸) جلدوں میں قاہرہ، مصر سے شائع ہوا ہے۔زینب الغزالی نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔انہوں نے ابن کثیرؒ کا بڑی عقیدت واحترام سے ذکر کیا ہے۔اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ تفسیر مسلکِ سلف کی ترجمان ہے۔ اخوانی رہ نما سید قطب شہیدؒ کی **'فی ظلال القرآن'** نے نوجوان ذہن کو اسلام کی طرف موڑنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔جدید عربی تفاسیر میں یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی تفسیر ہے۔ اس کے کتنے ہی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اخوان سے تعلق کی وجہ سے زینب الغزالی نے اسے بھی اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ **'نظرات فی کتاب اللہ'** عربی میں دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ برادر عزیز محمد خالد اعظمی کی توجہ سے اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی نے کیا ہے، جو تین جلدوں میں ہمارے سامنے ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے،اس لیے اس سے ب آسانی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

المنار پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے اس ترجمے کو بہت خوب صورت اور معیاری انداز میں شائع کیا ہے۔اللہ تعالی مصنف، مترجم اور ناشر سب کو جزائے خیر دے۔

(جلال الدین عمری)

ہندو پاک کے مشاہیر کی قرآنی خدمات ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

ناشر: خلیق احمد نظامی سینٹر آف قرآنک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۲۰ء،

سنۂ اشاعت: ۲۰۲۰ء، صفحات: ۲۳۹، قیمت: ۵۰۰/- روپے

علومِ اسلامیہ میں برِّصغیر ہندو پاک کے علماء کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔خاص طور پر انھوں نے قرآنیات کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے ذریعے قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر بڑی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب 'ہندو پاک کے مشاہیر کی قرآنی خدمات' خلیق احمد نظامی مرکز برائے مطالعاتِ قرآن کی سیریز کی ایک کڑی ہے۔اس سے قبل مختلف مکاتبِ فکر کے اصحابِ

علم کی قرآنی خدمات پر کتابیں اس ادارے سے شائع ہو چکی ہیں۔

مصنفِ کتاب ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ اسلامیات کے مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ ان میں 'برِّ صغیر ہند میں علومِ فقہ اسلامی کا ارتقاء: اردو مطبوعات کا تنقیدی وتجزیاتی مطالعہ'، 'برِّصغیر ہند میں فقہی مخطوطات و مطبوعات: ایک مطالعہ'، 'ہندو محقّقین کا مطالعۂ قرآن وسیرت' اور 'فکرِ اسلامی کا ارتقاء: ہندوستان کا خصوصی مطالعہ' اہم ہیں۔ خلیق نظامی سینٹر کے پروجکٹ کے تحت اس سے قبل انھوں نے 'جماعت اسلامی کے فضلاء کی قرآنی خدمات' کے نام سے کتاب تصنیف کی تھی، جو اہلِ علم سے داد وتحسین حاصل کر چکی ہے۔

زیرنظر کتاب میں ہند و پاک کے چھ(۶) مشاہیر کے قرآنی تراجم وتفاسیر کا تعارف، خلاصہ اور تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ باب اول میں احسان اللہ عباسیؒ کے 'ترجمۂ قرآن بزبان اردو' کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد دیگر تراجم سے اس کا موازنہ کیا گیا ہے، نیز چند حواشی کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اس ترجمۂ قرآن کے بعض نقائص بھی بیان کیے گئے ہیں اور مترجمِ قرآن کی بعض آراء سے اختلاف کیا گیا ہے، خاص طور پر ختمِ نبوت سے متعلق ان کی رائے پر نقد کیا گیا ہے۔

باب دوم میں فاضل مصنّف نے مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی اردو تفسیر (تفسیر ماجدی) اور انگریزی تفسیر (Tafsirul Quran) کا تعارف و مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس کے بارے میں نام ور علماء کے تأثرات نقل کیے ہیں۔ مولانا دریابادی کے ترجمے کے امتیازی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر کے افتتاحیہ میں ترجمہ کے مسائل پر جو بحث کی ہے اسے اختصار سے نقل کیا ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیات میں صحفِ سماویہ سے استشہاد، آیات کی تشریح وتوضیح میں سائنسی مباحث، قدماء کی آراء سے استفادہ، ایجابی اور غیر مناظرانہ اسلوب کے ذکر کے ساتھ اس کے چند نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ انگریزی ترجمہ کے سلسلے میں مولانا نے جن مسائل ومشکلات کا ذکر کیا ہے

انھیں فاضل مصنف نے نہایت جامع انداز میں قلم بند کردیا ہے۔ اس سے عربی زبان کی وسعت اور انگریزی زبان کی محدودیت واضح ہوجاتی ہے۔ عربی زبان کے بہت سے افعال کا انگریزی زبان میں ترجمہ ممکن نہیں۔ اس ضمن میں چند مثالیں پیش کی ہیں، جیسے بخل، صدق، استویٰ، اَسرف اور منّ وغیرہ۔

باب سوم میں خرم جاہ مرادؒ کے، قرآن کی آخری سورتوں کے دروس پر مشتمل دو مجموعوں کا حاصلِ مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی خصوصیات میں عربی قواعد اور لغاتِ قرآنی کا بیان و اہتمام، قرآنی لطائف و معارف کا ذکر، ربطِ آیات و سور اور مماثلتوں کی تلاش کے ساتھ جامع دیباچوں کے اہتمام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب چہارم میں مصنف نے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے 'درسِ قرآن' اور ان کی کتاب 'قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟' کا تعارف، حاصلِ مطالعہ اور تجزیہ پیش کیا ہے۔ درسِ قرآن کے خصائص و امتیازات میں انھوں نے بامحاورہ ترجمہ وتفسیر، غیر ضروری محققّانہ بحثوں سے گریز، ربطِ آیات کا اہتمام، عمودِ سورہ اور سورتوں کا ربطِ باہمی بیان کیا ہے۔

باب پنجم میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر 'بیان القرآن' کا تعارف اور مطالعہ پیش کیا ہے۔ تفسیر کا ابتدائیہ، جو معارفِ قرآن اور عظمتِ قرآن' کے عنوان سے ہے، اس کے مشمولات کا تعارف کرایا ہے۔ فہمِ قرآن کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ آٹھ اصولوں کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت فاضل مصنف نے یہ ذکر کی ہے کہ اس میں مغربی محققین اور فلاسفہ کی علمی موشگافیوں سے مثبت چیزیں لی گئی ہیں۔

آخری باب مولانا وحید الدین خاں کی تفسیر 'تذکیر القرآن' اور اس کے انگریزی ترجمہ پر ہے۔ اس تفسیر کی انفرادیت اور خصوصیت صاحبِ تفسیر کے الفاظ میں دعوت اور خدا کی معرفت ہے۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف نے اس کے تفسیری شذرات کے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے جہاں اس تفسیر کے عمدہ نکات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے وہیں اس کے بعض کمزور پہلوؤں پر عمدہ تنقید کی ہے، بالخصوص تصور اقامتِ دین کے بارے میں مولانا وحید الدین کے موقف پر عمدہ نقد وتبصرہ کیا ہے

اوراس کا رد کرتے ہوئے مولانا سید عروج احمد قادریؒ کی کتاب 'اقامتِ دین فرض ہے' سے دلائل فراہم کیے ہیں۔ انھوں نے تذکیر القرآن کے انگریزی ترجمہ پر پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے تعاقب اور نقد کو خاص اہتمام سے نقل کیا ہے۔

یہ کتاب قرآنیات کے میدان میں ہندو پاک کے چند اہم مشاہیر کی خدمات کا جامع تعارف پیش کرتی ہے۔ فاضل مصنف نے ہر مفسر کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے اوراس کے ترجمہ وتفسیر کا نہایت عمدہ تعارف کرایا ہے اوراس کے امتیازی پہلو، نقائص اور توجہ طلب امور پر بھی گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب مطالعاتِ قرآن میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ (محمد انس فلاحی مدنی)

قرآن کریم اور درپیش مسائل کا حل — پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

ناشر: براؤن پبلی کیشنز، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۱۱۲، قیمت: ۱۵۰/روپے

دنیا انسانوں کے لیے آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ہر انسان کو کسی نہ کسی پہلو سے ضرور آزمایا جاتا ہے۔ روز مرّہ کی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے معاملات ہوں یا معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل، کبھی اپنوں کے ہاتھوں آزمائش ہوتی ہے تو کبھی دوسروں کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ کبھی صورتِ حال اس قدر پریشان کن ہوجاتی ہے کہ انسان ردِّ عمل کا شکار ہو کر خوف ناک راستے پر چل پڑتا ہے، یا زندگی سے ہی مایوس ہو جاتا ہے۔ ان دشوار گزار حالات سے انسان کیسے نبرد آزما ہو؟ اوران سے نکلنے کے لیے مناسب راہیں کیسے تلاش کرے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں انسانی زندگی کی تمام مشکلات اور مسائل کا حل موجود ہے۔ اس پہلو سے قرآن مجید کے متعدد ماہرین نے اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس میں موجود انسانیت کو درپیش مشکلات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس سلسلے کا ایک قابلِ قدر مطالعہ زیر نظر کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے

ہے۔اس کے مصنف نام ور عالمِ دین پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی ہیں۔ قرآن مجید پر موصوف کی گہری نظر ہے اور اس میں تدبر وتفکر اور تفہیم سے وہ خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ قرآنیات اور دیگر موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، جن کو اہل علم نے قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا ہے۔آپ کی تازہ تصنیف 'قرآن کریم اور درپیش مسائل کا حل' بہت اہمیت کی حامل ہے۔اس کتاب میں انسانی زندگی کو درپیش مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے قرآنی تدابیر پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ مسائل کی تفہیم اور ان کے حل کے لیے حقیقی راہ نمائی قرآن ہی سے مل سکتی ہے۔اس عظیم ترین کتابِ ہدایت سے تعلق استوار کرنے اور روزمرّہ کی زندگی میں اس کو رہ نما بنانے سے ہی درپیش مسائل کی گرہیں کھل سکتی ہیں۔

زیرنظر کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔پہلے باب کا عنوان ہے: 'راہیں کھلتی ہیں۔حالاتِ حاضرہ میں ایک رہ نما کتاب'۔ یہ اصلاً عصر حاضر کے ممتاز عالمِ دین مولانا سید جلال الدین عمری، صدر شریعہ کونسل وسابق امیر جماعت اسلامی ہند کی کتاب 'راہیں کھلتی ہیں' کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔ فاضل مصنف نے مولانا عمری کی کتاب کے مباحث کی تلخیص بہت خوب صورتی سے کی ہے اور اس کے اقتباسات سے اپنی بات کو مدلّل کیا ہے۔ بہ طور خلاصہ انھوں نے لکھا ہے کہ مولانا عمری کی ''اس کتاب میں قرآنی آیات واحادیث کے حوالے سے دل نشیں اسلوب میں اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر انسانیت کو جو مسائل درپیش ہیں، ان کے حل کی راہیں کھلیں گی، اللہ رب العالمین سے رجوع اور اس کی مخلصانہ عبادت و بندگی سے، بے لاگ عدل و انصاف کے قیام، بلاکسی امتیاز سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ، انسانی حقوق کی پاس داری اور اخلاقی اقدار کے فروغ سے۔'' (ص:۱۵تا۱۶)

کتاب کے دوسرے باب کا عنوان ہے: 'مومن کے لیے جدّوجہد اور مسابقت کا اصل میدان نیکی کمانے کا ہے۔' اس باب میں اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے کہ مسائل

کے حل کے لیے جہاں جدّو جہد اور مسابقت ضروری ہے، وہیں ایک مومن کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی تمام سرگرمیوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق جملہ امور کی ادائیگی کے لیے وقف کردے۔ فاضل مصنف نے بیان کیا ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں نیکی کمانے کے جو مواقع میسر ہوں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ساتھ ہی انھوں نے اس حقیقت کو بھی اجاگر کیا ہے کہ درپیش مسائل کے حل میں جہاں جائز وسائل وذرائع کا استعمال ضروری ہے، وہیں ان کوششوں کی کام یابی اللہ کی توفیق وعنایت ہی سے ممکن ہے۔

کتاب کا تیسرا اور آخری باب 'دعا' کے عنوان سے ہے۔ مسائل کے حل میں اللہ کی توفیق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے ایک مومن کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کو یاد کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔ فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ دعا مانگنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اور دعا رحمتِ الٰہی کے دروازے کھول دیتی ہے۔

زیرنظر کتاب انسانوں کو درپیش مشکلات ومسائل کے حل کے لیے قرآنی رہ نمائی کا احاطہ کرتی ہے۔ امید ہے کہ اسے علمی ودینی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوگی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔ (کمال اختر قاسمی)

فتاویٰ علماء ہند — مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی

ناشر: منظمہ السلام العالمیۃ، جامع مسجد، سیکٹر ۱۴۔ کوپرکھیرنے، نوی ممبئی۔ ۴۰۰۷۰۹،
جلد ۴، صفحات: ۵۲۸، جلد ۵، صفحات: ۵۷۷، جلد ۶، صفحات: ۵۵۲، قیمت درج نہیں

برِّ صغیر ہند میں فقہ وفتاویٰ کے میدان میں غیر معمولی کام ہوا ہے۔ یہاں فتویٰ نویسی کا سلسلہ پانچویں صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی سے شروع ہو گیا تھا۔ مسلم سلاطین نے بھی اس سے دل چسپی لی اور سرپرستی کی اور علماء وفقہاء نے ذاتی طور پر بھی فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا۔ سلطنت کے زیرسرپرستی اجتماعی کوششوں سے مرتب ہونے والی کتابِ فتاویٰ کی نمایاں مثال 'فتاویٰ عالم گیری' ہے، جسے مغل حکم راں اورنگ زیب عالم گیرؒ (م ۱۷۰۷ء) کے حکم پر مرتب کیا گیا تھا۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے ایک

کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اور اسے چار حصوں میں تقسیم کرکے چار علماء کے ذمے کیا گیا تھا اور ہر ایک کے ساتھ دس دس افراد کو متعین کیا گیا تھا۔ اس طرح چالیس (۴۰) علماء کی مسلسل اور انتھک محنت سے آٹھ (۸) برس میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ انفرادی کوششوں سے مرتب ہونے والی کتبِ فتاویٰ کا سلسلہ انیسویں صدی عیسوی سے شروع ہوا۔ چوں کہ برِّ صغیر کے مسلمانوں کی اکثریت حنفی مسلک پر عمل پیرا ہے، اس لیے بیش تر فتاویٰ حنفی علماء کے ہیں اور اردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ملک کے مختلف حصوں میں بڑے دینی مدارس قائم ہوئے تو ان میں دار الافتاء کے شعبے کھولے گئے اور ان کے ذریعے سے بھی بڑے پیمانے پر فتویٰ نویسی کا کام انجام پایا۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ عوام ان فتاویٰ پر اعتماد کرتے ہیں اور پورے اطمینان کے ساتھ ان پر عمل کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب ایک بڑے پروجکٹ کا حصہ ہے، جس پر مولانا انیس الرحمن قاسمی ایک ٹیم کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ موصوف کافی عرصہ تک امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ وجھارکھنڈ کے ناظم رہے ہیں۔ آل انڈیا ملی کونسل کے نائب صدر اور ابو الکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے چیرمین ہیں، جس کے تحت علمی و تحقیقی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے یہ عزم کیا ہے کہ گزشتہ دو سو برس میں منظر عام پر آنے والے علمائے ہند کے فتاویٰ کا مجموعہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس منصوبہ پر خاصا کام ہو گیا ہے اور فتاویٰ کی جلدیں شائع ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ مجموعہ ساٹھ (۶۰) جلدوں اور تیس ہزار (۳۰,۰۰۰) صفحات پر مشتمل ہوگا۔

جلد اول (۵۶۵ صفحات) کی ابتدا میں مبسوط مقدمہ (۳۸۷/صفحات) ہے، جس میں فقہ واجتہاد اور فتویٰ نویسی کے اصول ومبادی سے بحث کے بعد برصغیر ہندو پاک کے نمائندہ مراکزِ افتاء کا تعارف اور علم فقہ میں مہارت رکھنے والی، دونوں ملکوں کی نمایاں شخصیات کا مفصل تذکرہ ہے۔ بعد کے صفحات میں وضو کا بیان ہے اور اس کے فرائض، سنن، مستحبات، مکروہات اور نواقض وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگلی دو

جلدوں میں بھی طہارت کے مباحث ہیں۔ اس کے بعد کی پانچ جلدوں میں کتاب الصلوٰۃ کا منصوبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ ان میں سے تین جلدیں (چہارم تا ششم) تبصرہ نگار کے پیش نظر ہیں۔ جلد چہارم میں نماز کی اہمیت وفضیلت، صحتِ نماز کے مسائل، نماز کی ترتیب، قضا نماز کے مسائل، ترکِ نماز کے احکام اور اوقاتِ نماز وغیرہ کا بیان ہے۔ جلد پنجم میں اوقاتِ نماز کے باقی مسائل، مکروہ اوقات کے علاوہ اذان کے مسائل تفصیل سے مذکور ہیں، مثلاً پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ اذان، مؤذن کے اوصاف، نابالغ کی اذان، اذان کے لیے پاکی ناپاکی کے مسائل، اذان کے مستحبات، اذان کے کلمات وغیرہ۔ جلد ششم میں اذان کے باقی مسائل کے علاوہ اقامت کے احکام و مسائل، نماز میں بدن، کپڑے اور جگہ کی پاکی کے مسائل، ستر عورۃ، نیت، استقبالِ قبلہ اور قبلہ کے دیگر مسائل کا بیان ہے۔

کتاب میں حواشی کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ ان میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور صحابہ وتابعین کے آثار واقوال نقل کیے گئے ہیں، جن کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل ہوگئے ہیں۔ ہر جلد کی ابتدا میں بعض معروف علماء کی تقریظات اور تاثرات شامل کیے گئے ہیں۔ انھوں نے اس علمی کاوش کی ستائش کی ہے اور تحسین وتبریک سے نوازا ہے۔

اس کتاب کو شائع کرنے کا اہتمام منظمۃ السلام العالمیۃ (Global Peace Foundation) ممبئی کے چیرمین مولانا اسامہ شمیم ندوی نے کیا ہے۔ انھوں نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ ان فتاویٰ کا عربی اور انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے گا۔ ابتدائی کئی جلدوں کا ترجمہ ہو گیا ہے اور جلد ان کی طباعت متوقع ہے۔

اس منصوبہ میں تینتالیس (۴۳) کتبِ فتاویٰ شامل کی گئی ہیں، جن میں سے دس (۱۰) مدارس اور اداروں کے تحت مرتب ہونے والے فتاویٰ ہیں اور باقی علماء کے نجی فتاویٰ۔ کہنے کو تو اس کتاب کا نام 'فتاویٰ علمائے ہند' ہے، لیکن درحقیقت اس میں صرف علمائے احناف، بلکہ علمائے دیوبند کے فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں۔ بریلوی علماء کا

تعلق بھی حنفی مسلک سے ہے،لیکن ان کے فتاویٰ اس میں شامل نہیں۔اسی طرح جنوبی ہند میں شافعی مسلک پر عمل کرنے والے بھی ہیں اور ان کے علماء کے بھی فتاویٰ ہیں۔ علمائے اہلِ حدیث کی بھی کتبِ فتاویٰ موجود ہیں۔جماعت اسلامی کے اصحابِ علم کے بھی فتاویٰ شائع شدہ ہیں۔لیکن ان سب کو اس منصوبے کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے۔

یہ ایک بڑا علمی منصوبہ ہے۔اس کے مرتب اور ناشر دونوں اس خدمت پر تحسین وتبریک کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور امت کو اس سے فیض اٹھانے کی توفیق ہو۔آمین

(محمد رضی الاسلام ندوی)

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھر پور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔امید ہے کہ ان مقالات سے فکر ونظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات:۸۰ قیمت:۵۲

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۷۶)

☆۲۳؍ جون ۲۰۲۰ء کو ڈاکٹر صباح الدین (استاذ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کی ادارہ کے اراکین اور اسکالرس کے ساتھ خصوصی نشست رکھی گئی۔موصوف نے بتایا کہ کووڈ۔۱۹ کی موجودہ وبا کے تناظر میں غور وفکر کے زاویے بدل گئے ہیں، زمانے کی ترجیحات بدل رہی ہیں۔ اب ہمیں نئے طریقے سے نت نئے موضوعات پر غور فکر کی ضرورت ہے۔ اس وقت جو نئے سوالات اور موضوعات سامنے آرہے ہیں، انہیں ایڈریس کرنا ہوگا۔موجودہ حالات کا یہ لازمی تقاضا ہے۔ لیکچر کے بعد اسکالرس نے سوالات اور اپنے اشکالات رکھے، جن کے ڈاکٹر صاحب نے تسلی بخش جوابات دیے۔

☆۲۹؍مئی ۲۰۲۰ء کورائٹرس فورم کے ماہانہ پروگرام میں ادارہ کے اسکالر محمد عزیر ندوی نے 'مسلم معاشرہ پر ہندوستانی تہذیب کے اثرات' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس پروگرام میں ادارہ کے اراکین اور اسکالرس شریک ہوئے۔ مقالہ کی پیش کش کے بعد مذاکرہ ہوااور شرکاء نے کئی سوالات کیے، جن کے مقالہ نگار نے تشفی بخش جوابات دیے۔ اس پروگرام کی صدارت ڈاکٹر محمد شہاب الدین قاسمی نے فرمائی۔ انھوں نے مقالہ پر تبصرہ کرنے کے ساتھ اسکالرس کو مضمون نویسی کے اصول وآداب سے بھی روشناس کرایا۔

☆ماہ نامہ زندگی نو کچھ عرصے سے نئے رنگ وآہنگ میں شائع ہو رہا ہے۔ اس کے مشتملات کا تجزیہ کرنے کے مقصد سے ۲۰؍ جون ۲۰۲۰ء کو سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی کی صدارت میں ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد ہوئی۔ ابتدا میں سکریٹری ادارہ نے نشست کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی، اس کے بعد ادارہ کے اراکین و

اسکالرس نے رسالے کے مشمولات کا تعارف اور خلاصہ پیش کیا اور اس پر اپنی آراء کا اظہار کیا۔ مذاکرہ میں دیگر اہلِ علم نے بھی حصہ لیا۔

☆ پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی (ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ و نائب صدر ادارۂ تحقیق) کی خصوصی عنایت سے دارالمصنفین کی تمام جدید مطبوعات، جن کی تعداد دو سو تیس (۲۳۰) ہے، ادارہ کی لائبریری کو بطور ہدیہ موصول ہوئیں۔ اس پر ادارہ پروفیسر موصوف کا از حد شکر گزار ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ کی لائبریری میں چھ سو چھپن (۶۵۶) کتابوں کا مزید اضافہ ہوا۔

☆ ادارہ میں اس وقت پانچ (۵) اسکالرس زیر تربیت ہیں۔ وہ مجوزہ نصاب کے ساتھ مضامین بھی تحریر کرتے ہیں۔ ان کے مضامین ماہ نامہ رفیق منزل نئی دہلی، ہفت روزہ دعوت نئی دہلی اور دیگر رسائل میں شائع ہوئے۔

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے: خدمتِ خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر و ثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔

اس کتاب کا انگریزی، عربی، ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ قیمت: ۱۱۰/روپے

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 39 No.3

July - September 2020

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Madrasatul Islah and Its Services** **5**

Syed Jalaluddin Omari

2. **Indian Translations and Exegeses of the Noble Qur'an** **17**

[Critique on Prof.Ghulam Yahya Anjum's book]

Prof.Abdur Raheem Kidwai

3. **Comparison of Styles of Imam Abu Dawood and Imam Tirmidhi in Deduction of Rulings** **37**

Ms. Saima Malik

4. **Qur'anic Assurances and Hadithi Illustrations of Entrance in Paradise** **55**

Prof. Muhammad Yasin Mazhar Siddiqui

5. **The Concept of Common Good in Islam** **69**

Mufti Bakht Shaid

6. **Science and Technology: Islamic Point of View** **75**

Dr. Muhammad Rafat

7. **Qur'anic Allusions in the Works of Iqbal** **89**

Dr. Ali Muhammad Bhat

8. **Book Reviews** **109**

9. **Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** **119**

Abstract of the Articles

Madrasatul Islah and Its Services

Syed Jalaluddin Omari
President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami
&Ex- Ameer Jamaat-e-Islami Hind

One century has passed since the establishment of Madrasatul Islah, Sarai Mir, Azamgarh. To mark this, a three-day seminar on The History of Madrasatul Islah was organised on 2, 3 and 4 November 2019. The lecture the Maulana presented in its inaugural session is being published here.

In this write-up the Maulana has expressed his affinity with Madrasatul Islah. He has written that he visited the Madrasa first of all to participate in a session organised in 1980. Thereafter he often visited the Madrasa. He has further written that Madrasatul Islah has close relations with Jamaat-e-Islami Hind. After the reformation of the Jamaat in 1948, its headquarters was first established here. The graduates of the Madrasa have provided intellectual leadership for the Jamaat. Most distinguished among them are Maulana Abul Lais Islahi Nadvi, Maulana Sadruddin Islahi and Maulana Jaleel Ahsan Nadvi.

The Maulana has written that the very identity of the Madrasa is attached with Allama Hamiduddin Farahi (d. 1930); he has the status of leader in the field of Qur'anic exegeses. His special contribution to this field is Nazm-e-Qur'an (perfect order in the surahs and ayat of the Qur'an). He considered the Qur'an the source of all branches of knowledge. One of his close disciples was Maulana Akhtar Ahsan Islahi, who was on the Central Advisory

Council of the Jamaat. In respect of depth in the knowledge of the Qur'an he was the elegant reflection of his teacher, Allama Farahi. Maulana Sadruddin Islahi, in his Qur'anic exegesis, Taisirul Qur'an, which consists of Surah Baqarah, has represented the thought of Allama Farahi. The author deems both of them his teacher

.

Indian Translations and Exegeses of the Noble Qur'an

[critique on Prof. Ghulam Yahya Anjum's book]

Prof.Abdur Raheem Kidwai
Director UGC HRD Centre,A.M.U.Aligarh
sulaim_05@yahoo.co.in

In his extensive critique, Abdur Raheem Kidwai has assessed the strengths and weaknesses of Ghulam Yahya Anjum's recent survey of the Urdu scholarship on the Quran in 600 pages. Divided into various chapters and sub-chapters, Anjum's work identifies thematic, sectarian, and other types of writings on the Quran. In his review, Kidwai has cited several instances of misperceptions and inaccuracies in the survey. There is a pressing need for more evaluative and authentic works on the Quran translations in Urdu and other Indian languages.

Comparison of Styles of Imam Abu Dawood and Imam Tirmidhi in Deduction of Rulings

Ms. Saima Malik
Research Scholar, Dept. of Islamic Studies and Arabic, Government College University, Faisalabad (Pakistan)
smalikfsd@gmail.com

Comparison is a source, through which one can get

awareness about the similar or dissimilar points of different things. In the field of knowledge, we may also analyse the methodology, style and qualities of different books in this way. So, a brief analytical study is done here to compare the methodology, style and vision of Imam Abu Dawood and Imam Tirmidh?, which they have adopted to collect deeni commands (Ahadith-e-Ahkam) in their 'Sunan'. At first this study includes the six points of comparative discussion about the Titles (Tarajim-e-Abwab) of Ahkam al-Taharah, Ahkam al-Salah, Ahkam al-Zakat, Ahkam al-Siyam, Ahkam al-Hajj, Ahkam al-Janaiz, and after that the other possible aspects have been presented in the comparative context.

Qur'anic Assurances and Hadithi Illustrations of Entrance in Paradise

Professor Muhammad Yasin Mazhar Siddiqui
Former Chairman, Dept. of Islamic Studies,
Aligarh Muslim University, Aligarh
mnzdigitalpoint@gmail.com

Iman (faith) and amal (action) are the two basic and intertwined conditions for mundane success and salvation in the hereafter. Paradise has been promised to those who have faith and also do noble deeds. The Qur'an repeatedly says that the reward of those who do good deeds will not be washed out, and that owing to their actions they will be blessed with the Divine Grace. Those who do noble deeds have been declared as the best creatures. This reflects deep relation between action and reward.

However, some ahadith have it to say that no one will be able to enter the Paradise on the basis of his deeds. These ahadith seem to be contrary to and clashing with the Qur'an's general approach to this issue. This article tends to remove these contradictions. The learned writer has opined that in

ahadith too iman and amal have been deemed source of winning the Paradise. However, certain ahadith draw our attention to the fact that the believers should not depend on their actions but rather always seek the Mercy of Allah.

The Concept of Common Good in Islam

Mufti Bakht Shaid
Graduate of Jamia Darul Uloom Karachi and
Research Scholar, Federal Urdu University,
Abdul Haq Campus, Karachi, Pakistan
bakhtshaid@gmail.com

Islam has taught many ways of service to society. Every statement or action of a person that fulfils some need of a needy person, consoles him or removes some of his trouble comes under the purview of service to society. A particular kind of service to society is Kifalat-e-A'mma.

There are mainly two kinds of Kifalat-e-A'mma. One is individual service. It means that every person should try to fulfil the needs of persons in want by providing them with food, housing and other necessities. As per Islamic teachings, providing the necessities of orphans, the indigent, widows, the old and the needy is the grand part of huqooq al-ibad (caring for others). The other kind of Kifalat-e-A'mma is collective service, viz. the State should make arrangements for fulfilling the needs of the public, for it is the responsibility of the State to provide all basic needs of the citizens. These basic needs include food, clothes, education and healthcare, etc.

Allah's Messenger , after reaching Madinah, did a lot for common good. He established a bond of brotherhood which united every one of the Muhajir to the Ansars as siblings, established Bait al-Mal and a system of collection and distribution of Zakat. Thus he presented a concept of a welfare state.

The article presents Islamic teachings on both the kinds of common good as well as practical examples of Allah's Messenger and the Rightly Guided Caliphs.

Science and Technology: Islamic Point of View

Professor Muhammad Rafat
Professor, Department of Applied Sciences and Humanities,
Faculty of Engg. & Tech.
Jamia Millia Islamia, New Delhi
mohd.rafat@gmail.com

Science is the knowledge a person acquires about the particles of Nature with the help of his senses and intellect. This knowledge, in the creation of its concepts and terminologies, is subservient to the concept of universe the scientist believes in, consciously or unconsciously. The methodology of acquiring some knowledge, under Islamic scheme of things, must be subject to moral ethos. The stimulants of scientific activity are enjoyment of mystical experience, seeking the Grace of Allah, and sense of thankfulness. Contrary to it, under the system of Ignorance, scientific activity often ignores moral bindings, and promotes a sense of pride. This is the difference that also lies between the technologies invented under Islamic and Ignorant setups. Thus it is inevitable to liberate the human masses from the present unethical kind of science and technology by making these activities subject to moral ethics.

This article discusses all these points

Qur'anic Allusions in the Works of Iqbal

Dr. Ali Muhammad Bhat
Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies,
Islamic University of Science and Technology, Awantipora, J&K
alimohd1265@gmail.com

Allama Iqbal (d. 1938) is one of the thinkers of the present age who, by putting Islamic teachings into a new mould, taught the Muslims that these teachings can guide us even in the present changing scenario. He made the basic

source of Islam, the Qur'an, the purpose of his life, and tried to convey its teachings to people through his poetry. A close study of his poetry brings to light Qur'anic allusions. By referring to the Qur'anic teachings at places, he tends to make the Muslim Ummah aware of its bygone majesty.

This article presents many examples from the Persian and Urdu poetry of Iqbal and reproduces their couplets in which Iqbal either uses parts of Qur'anic ayat or words or terminologies of the Book, or presented some Qur'anic teaching in poetical form, or made some ayat the subject of his poem. This shows Allama Iqbal's love for and extraordinary affinity with the Qur'an.

BOOK REVIEW

1. *Nazrat fi Kitab Allah*(deliberation in the Book of Allah), Zainab Al-Ghazali,Translated by Ml. Abdul Hameed Athar Nadwi,Three Volumes,Total pages:1907,Price:IRs.1800/-

Reviewed by Ml. Syed Jalaluddin Umari

2. *Hind-o- Pak ke Mashaheer ki Qur'ani Khidmat*(Indo-Pak Elite's Contributions to Qur'an Studies) ,Dr.Ziauddin Malik Falahi, K.A.Nizami Centre for Quranic Studies,Aligarh Muslim University,Aligarh,2020,Pages:239,Price:IRs.500/-

Reviewed by Ml. Muhammad Anas Falahi Madani

3. *Qur'an Kareem aur Darpesh Masael ka Hal* (The Noble Qur'an and Solution to the Confronting Problems),Prof. Zafarul Islam Islahi, Halqa-e-Dars-e-Qur'an,Aligarh,2020,Pages :112, price: IRs.150 -

Reviewed by Ml.Kamal Akhtar Qasmi

4. *Fatawa-e-Ulama-e-Hind*(Jurisprudential Verdicts of Indian Ulama),Compiled by Ml.Anisur Rahman qasmi,Global Peace Foundation,Mumbai.

Reviewed by Dr.Muhammad Raziul Islam Nadvi

خطبات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

موجودہ عہد کے لسانی وفکری مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کے بنیادی ارکان کی اہمیت وضرورت پر دل نشیں اور آسان انداز میں یقین آفریں کتاب۔

اردو

اول	[حقیقتِ ایمان]	26.00
دوم	[حقیقتِ اسلام]	24.00
سوم	[حقیقتِ صوم وصلوٰۃ]	36.00
چہارم	[حقیقتِ زکوٰۃ]	34.00
پنجم	[حقیقتِ حج وجہاد]	32.00 set 152.00
خطبات مکمل		195.00[HB]160.00[PB]

ہندی

اول	[ایمان کی حقیقت]	28.00
دوم	[اسلام کی حقیقت]	26.00
سوم	[نماز، روزہ کی حقیقت]	32.00
چہارم	[زکوٰۃ کی حقیقت]	28.00
پنجم	[حج کی حقیقت]	34.00 [Set 148.00]
خطبات مکمل		114.00 [PB]

انگریزی

Fundamentals of Islam - I	42.00
Fundamentals of Islam - II	40.00
Fundamentals of Islam - III	34.00
Fundamentals of Islam - IV	42.00
Fundamentals of Islam - V	40.00 set 198.00
Fundamentals of Islam	145.00PB 215.00HB

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Phone:26981652,26984347 **Customer Care:** 7290092403

• **E-mail:** info@mmipublishers.net •**Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
July-September 2020

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-8881854504
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/	۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/	۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/	۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/	۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/	۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/	۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/	۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/	۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/	۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/	۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/	۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۱۴	عورت اور اسلام	• مجلد /۱۱۰ • عام /۶۰	۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/	۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۳۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/	۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/	۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۱۸	اسلام-ایک دینِ دعوت	۲۵/	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں	• مجلد /۱۴۰ • عام /۹۵	۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۲۱	سبیل رب ۔ دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/	۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۔ ۲۵